انسانی حقوق

قرآن، حدیث اور سیرت کی روشنی میں

از

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

ترتیب و پیشکش

محمد وثیق ندوی

ناشر

دار الرشید، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

۱۴۴۰ھ - ۲۰۱۸ء

نام کتاب	:	حقوق انسانی قرآن، حدیث اور سیرت نبوی کی روشنی میں
مؤلف	:	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
ترتیب و پیشکش	:	محمد وثیق ندوی
صفحات	:	۱۱۲
تعداد	:	۲۰۰۰ (طبع دوم)
قیمت	:	Rs.100

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، فون:0522-2741539

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ، فون:9415912042

مکتبہ ندویہ، احاطہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون:9335070285

مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ، فون:9793118234

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، شباب مارکیٹ، مکارم نگر، لکھنؤ9696437283

الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ(:0522)2610443. 6535664

ابراہیم بکڈپو، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی:9919331295

ناشر

دارالرشید، لکھنؤ

E- mail: daralrasheed2000@yahoo.com

164/106 خاتون منزل حیدر مرزا روڈ، گولہ گنج، لکھنؤ

فہرست

پیش گفتار	۶
پیش لفظ	۹
انسانی حقوق قرآن کریم کی روشنی میں	۱۳
قومیت اور عصبیت کی بنیاد پر تفریق کی ممانعت	۱۷
قتل نفس کی حرمت	۱۷
دوسرے مذاہب کا احترام	۱۸
یتیموں اور بچوں کے حقوق	۱۹
میراث کی تقسیم کے وقت فقراء اور یتیموں کا خیال	۲۰
عدل وانصاف کی تاکید	۲۱
والدین کے ساتھ حسن سلوک	۲۲
خاندان کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک	۲۳
شوہر و بیوی کے تعلقات کی تفصیل	۲۵
میراث کی تقسیم میں حقوق کی پاسداری	۲۶
غرور و تکبر کی ممانعت	۲۸
غصہ سے اجتناب اور عفو و درگزر کی تلقین	۲۹
حالت جنگ میں حسن سلوک کی تاکید	۳۰
دعوت و اصلاح میں حکمت اور صبر و برداشت کی تلقین	۳۰
خیر و بھلائی کا کام کرنے والوں کی ضرورت	۳۱

امانتوں کی ادائیگی	۳۱
تجارت ومعیشت کی واضح ہدایات	۳۲
بخل کی مذمت	۳۵
کسب مال کی ترغیب	۳۵
سود کی ممانعت	۳۶
کسب اور انفاق کے درمیان اعتدال کی تلقین	۳۸
ذخیرہ اندوزی کے برے نتائج کا ذکر	۳۹
باغ والوں قصہ	۴۱
اسلامی معیشت کی خصوصیت	۴۳
لین دین کے معاملات کو لکھنے کی تاکید	۴۳
اسلام کا مثالی معاشرہ	۴۴
انسانی حقوق حدیث اور سیرت نبوی کی روشنی میں	۵۰
عصبیت کی ممانعت	۵۱
حالت جنگ میں قتل ناحق سے اجتناب اور حسن سلوک کی تلقین	۵۱
حقوق کی ادائیگی کی ترغیب	۵۲
رحمت بنو، زحمت نہ بنو	۵۳
دوسروں کی مدد	۵۳
ظلم سے اجتناب	۵۳
توحید کی جلوہ گری	۵۴
شرافت انسانی کا لحاظ	۵۵
انسانی حقوق کا منشور: میثاق مدینہ	۵۷

دشمنوں کے ساتھ آپ کا معاملہ	۶۳
قیدیوں کے ساتھ سلوک	۶۴
بوڑھوں کے ساتھ سلوک	۶۵
بچوں کے ساتھ سلوک	۶۵
عورتوں کے ساتھ سلوک	۶۶
خادموں اور ماتحتوں کے ساتھ سلوک	۶۷
فقراء اور محتاجوں کے ساتھ سلوک	۶۸
پریشان حال لوگوں کے ساتھ سلوک	۶۹
ناسمجھ لوگوں کے ساتھ شفقت ورحمت	۷۰
امت کے ساتھ رحمت	۷۱
انسانی جان کا احترام	۷۲
غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک	۷۳
جانوروں کے ساتھ نرمی	۷۳
سیرت نبوی کی جامعیت	۷۶
صحابہ کرام پر آپ کے اثرات	۷۷
مسلم حکمرانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ	۷۸
امت محمدی کی امتیازی صفت: دعوت	۸۱
وقت کی اہم ضرورت	۸۳
اسلامی دعوت کے میدان عمل	۸۵
اسلام کا معتدل تصورِ حیات	۹۶
فکر وعمل میں مطابقت وتوازن پیدا کرنے کی ضرورت	۱۰۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

الحمد لله رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء وخاتم المرسلین محمد، وعلی آله وصحبه أجمعین وبعد۔

۱۱۲ر صفحات پر مشتمل والد محترم کا یہ رسالہ آپ کے ہاتھ میں ہے، آپ ہی کے بارے میں اور آپ ہی کے حقوق کے سلسلہ میں ہے، کیا آپ کی ذمہ داریاں ہیں؟ کیا آپ کے فرائض ہیں؟ کیا آپ کو ملنا اور کیا آپ کو دینا ہے؟ معاشرہ میں کیسے آپ کو رہنا ہے؟ دوسروں کے ساتھ کیا سلوک آپ کو کرنا ہے؟ معاشرہ کیسے مربوط ہوگا؟ مستحکم بنیادوں پر کیسے قائم ہوگا؟ اخوت ومحبت کا خواب کیسے شرمندہ تعبیر ہوگا؟ انہی اہم امور کے سلسلہ میں قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ مختصر رسالہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

مطالعہ آپ قرآن کریم کا کیجیے، حدیث پاک کا کیجیے، سیرت طیبہ کا کیجیے، جہاں جہاں انسان کا تذکرہ آیا ہے حق کے مطالبہ کا نہیں، اس کو حق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے، حق ماں باپ کا، رشتہ داروں کا، پڑوسیوں کا، غریبوں کا، بیواؤں کا، یتیموں کا، مسافروں کا، مزدوروں کا، مالک کا، نوکر کا، اولاد کا، بیوی کا، شوہر کا، کرایہ دار کا، مالکِ مکان کا، بیچنے والے کا، خریدنے والے کا، قرض لینے والے کا، قرض دینے والے کا، قیدیوں کا، دوستوں کا، دشمنوں کا، ظالم کا، مظلوم کا، عورت کا، مرد کا، بچہ کا، جوان کا، بوڑھے کا، انسان کسی بھی حیثیت کا ہو، کسی بھی سطح کا ہو، کسی بھی عمر کا ہو، کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو، کسی بھی مذہب سے وابستہ ہو، کسی نہ کسی شکل میں اس کا دوسرے پر حق ہے جس کی ادائیگی دوسرے پر لازم ہے۔

اسلام تو اپنے پیرو کاروں کو بنیادی تعلیم ہی یہی دیتا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے اوپر عائد دوسرے افراد کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ رہے، خدا کے آخری نبی پر نازل ہونے والی آخری آسمانی کتاب میں تو یہاں تک ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ صرف حق کی ادائیگی تک محدود نہ رہیں، بلکہ حق کی دائیگی کے ساتھ حسن سلوک کا بھی پورا خیال رکھیں، ارشاد ہے:۔ ''اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ''(سورہ نحل:۹۰)۔[بیشک اللہ انصاف اور حسن سلوک کا حکم دیتا ہے] ''یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی'' (سورہ بقرہ:۲۶۴)[اے ایمان والو! اپنے صدقوں کو احسان (رکھ کر) اور اذیت (پہنچا کر) باطل نہ کردو] کیونکہ ایسا ہوتا ہے اور اکثر ہوتا ہے کہ ایک شخص خدا کے خوف اور سماج کے ڈر سے دوسرے کا حق تو ادا کر دیتا ہے؛ لیکن کچھ منہ بنا کر، کچھ تیوری چڑھا کر اور کسی نہ کسی شکل میں احسان جتلا کر، حق کی ادائیگی کا یہ طریقہ نہ خدا کو پسند ہے، نہ اس کے رسول کو، حق تو ایک فریضہ ہے جو آپ کو ادا کرنا ہی ہے، پھر کیسی یہ ناگواری؟ اور کیوں کر یہ احساس برتری؟۔

اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے انسانی حقوق کا جتنا جامع، مکمل، متوازن اور واضح تصور پیش کیا، نہ کوئی مذہب آج تک پیش کر سکا اور نہ کوئی تمدن، انسانی حقوق کی رٹ لگانے والی یہ فریبی مغربی دنیا جب انسان ہی کو نہ سمجھ سکی، تو اس کے حقوق اور اس کی ضرورتوں کو کیا سمجھے گی۔

یہ انسان کو، اس کی طبیعت کو، اس کی فطرت کو، اس کی صلاحیتوں کو، اس کی خصوصیات کو اور اس کی تخلیق کے مقصد کو نہ سمجھنے ہی کا نتیجہ ہے کہ علم و دانش کا دعوی کرنے والے ہی انسان اس کی صلاحیتوں کا غلط استعمال کر رہے ہیں، شریعت کی طرف سے مقرر کردہ مرد و زن کے حقوق کے تناسب کو بگاڑ رہے ہیں، اور مرد و زن کے مابین مساوات کے نام پر مرد و زن کے حقوق کی ادائیگی میں ناانصافی سے کام لے رہے ہیں، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ انسان خواہ وہ مرد کی شکل میں ہو یا عورت کی، بگڑتا جا رہا ہے، اور معاشرہ میں اپنی

افادیت کھوتا جارہا ہے، اسی طرح جس طرح غلط استعمال سے مشین بگڑتی ہے اور مشین تو پھر بھی مشین ہے، بگڑتی ہے تو اس کا بگاڑ صرف اسی ایک مشین تک محدود رہتا ہے، دوسری مشینوں پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، لیکن انسان کا معاملہ مشین سے مختلف ہے اور جب انسان بگڑتا ہے تو معاشرہ بگڑتا ہے اور جب معاشرہ بگڑتا ہے تو نظام بگڑتا ہے اور جب نظام بگڑتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ سب کچھ بگڑ جاتا ہے، بگڑنے کا احساس سب کو ضرور ہے، لیکن افسوس کہ بگڑنے کے اسباب سے سب ہی غافل ہیں، یہی وجہ ہے کہ درستگی کی ساری تدبیریں اور اصلاح کی ساری کوششیں لاحاصل ہیں، انسان کو جب تک اس راستہ پر واپس نہیں لایا جائے گا، جس راستہ پر چلنے کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے، اس کام پر اس کو مامور نہیں کیا جائے گا جس کے لیے اس کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اور انسان جب تک اپنے اوپر عائد حقوق نہ پہچانے گا اور ان حقوق کو ادا کرنے کی کوشش نہ کرے گا اس وقت تک صورتحال میں کسی تبدیلی کا خواب خواب ہی رہے گا، اور یہ راستہ ہے قرآن، حدیث اور سیرت کی روشنی میں حقوق کی ادائیگی کا، سچ تو یہ ہے کہ اسلام نام ہی ہے حق ادا کرنے کا، حق خدا کا اور حق اس کے بندوں کا۔

ہم شکر گزار ہیں مولانا محمد وثیق ندوی (استاد تفسیر وعربی زبان وادب دارالعلوم ندوۃ العلماء) کے کہ انہوں نے عربی میں لکھے گیے ان مضامین کو جمع کیا، ترتیب قائم کی اور ترجمہ کیا اور یہ مفید مجموعہ تیار کر کے ہمارے اور آپ کے ہاتھ میں پہنچایا، اللہ ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور ان کو اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے۔

جعفر مسعود حسنی ندوی

۱۷/محرم/۱۴۳۹ھ

۷/۱۰/۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد۔

اس عہد میں ہر شخص خاص طور پر قائدین کی زبان پر وقت کا سب سے اہم مسئلہ دہشت گردی کا مقابلہ ہے اور اس تعبیر کو اسلام اور مسلمانوں پر منطبق کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، خاص طور پر اسلامی مراکز، دینی مدارس اور ان کے نظام تعلیم کو نشانہ بنا کر دہشت گردی کا انطباق مدارس پر کیا جاتا ہے اور دہشت گردی کے واقعات کو اس سے جوڑ دیا جاتا ہے، حالانکہ خود دہشت گردی کا راگ الاپنے والے مسلمانوں میں باہم کشمکش پیدا کرتے ہیں اور متحارب گروپوں کی سرپرستی کرتے ہیں اور ان کو جنگی وسائل فراہم کرتے ہیں، اس کا مرکز خاص طور پر عالم اسلام کو بنایا جارہا ہے، مسلمان ملکوں میں نظام تعلیم بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اسلاموفوبیا پیدا کرکے دعوت اسلامی کے سارے وسائل ختم کیے جارہے ہیں اور یہ سب نام نہاد اسلامی دہشت گردی کو روکنے کے نام پر کیا جارہا ہے۔

اس تعبیر کو وہ قائدین بھی استعمال کرتے ہیں جنہوں نے انسانوں کی تباہی کے لیے اور آبادیوں کی بربادی کے لیے خطرناک ترین اسلحہ بنائے اور ان کی ترویج کے وسیع ترین وسائل اختیار کیے اور ان کی تجارت کے لیے حالات پیدا کیے۔

اخبارات کے مطالعہ سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ اسلامی دہشت گردی کا لفظ استعمال ہورہا ہے اور سب سے زیادہ اہم مسئلہ اس وقت دہشت

گردی کا ہے، دوسری طرف مہلک ترین وسائل جو انسانی حقوق کی تباہی کا سبب ہیں استعمال کیے جارہے ہیں اور یہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں انسانی حقوق کو دیے گئے تحفظ اور ضمانت کی خلاف ورزی ہے۔ دنیا کے ملکوں میں انسانی حقوق کی کھلی خلاف ورزی ہورہی ہے، جیسا کہ انسانی حقوق کی تنظیموں کی رپورٹوں میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ مختلف ملکوں کی جیلوں میں اذیت ناک وسائل استعمال کیے جارہے ہیں اور وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، پریس کی رپورٹیں اطلاعات پیش کرتی رہتی ہیں، اس میں مسلم ملک بھی شامل ہیں، جو مغربی آقاؤں کے اسلام سے خوف کی وجہ سے ایسی کارروائیاں کرتے ہیں۔ دہشت گردی کے وسائل میں قرآن کریم کی بعض آیتوں کو شامل کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ دہشت گردی کے فروغ میں ان آیات کا بھی حصہ ہے، اسی لیے نئے نظام تعلیم میں ان کو حذف کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اسلام سے خوف اور اسلامی ذہن رکھنے والوں سے جو وحشت اور دہشت ہے، اس کا ایک بڑا سبب اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت ہے، خاص طور سے اسلامی نظام میں جرائم کو روکنے کے لیے جو سزائیں رکھی گئی ہیں وہ سب سے زیادہ اسلام سے خوف کا سبب بنتی ہیں، لیکن اسلامی نظام کا فرد و سماج کی حفاظت اور جرائم سے محفوظ معاشرہ کا تصور ان قائدین کے ذہن میں نہیں آتا، اس لیے کہ ان کے ملکوں میں اس کا تجربہ نہیں کیا گیا۔

اسلامی تعلیمات قرآن کریم کی روشنی اور حدیث اور سیرت کی روشنی میں جرائم سے محفوظ معاشرہ کے قیام پر زور دیتی ہیں، قرآن کریم صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم نہیں دیتا ہے، بلکہ بغیر کسی تفریق وامتیاز کے سب کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے، ارشاد باری ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ

لِلتَّقْوٰی ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (المائدۃ:۸)

اے ایمان والو! اللہ کے لیے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو انصاف کی ڈگر سے ہٹا نہ دے، عدل وانصاف سے کام لو، یہی تقوی کے زیادہ قریب ہے، اللہ سے ڈرو، اللہ تعالی کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔

ایک دوسری جگہ جہاں والدین کے حقوق بیان کیے گئے ہیں، وہاں ارشاد ہے:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۔ (سورہ لقمان: ۱۴-۱۵)

اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (حسن سلوک کی) تاکید کی، اس کی ماں نے تھک تھک کر اس کا بوجھ اٹھایا اور دو سالوں میں اس کا دودھ چھڑایا کہ میرا حق پہچانو اور اپنے ماں باپ کا حق پہچانو، لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے، اور وہ اگر تمہیں اس پر مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو جس کا تم کوئی علم نہیں، تو ان کی بات نہ ماننا، اور دنیا میں ان کے ساتھ برتاؤ کیے جانا۔

قرآن نے انسان کو دو طرح خطاب کیا، ایک عام خطاب، "یَآ اَیُّهَا النَّاس" (اے انسانو!) کے ذریعہ، اور دوسرا خاص خطاب "یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (اے ایمان والو!) کے ذریعہ، دونوں خطابوں میں عدل وانصاف اور انسانی حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

انسانی زندگی کو خوشگوار بنانے اور جھگڑوں سے پاک رکھنے کے لیے - اور اس میں کسی مذہب کی شرط نہیں - ان اعمال سے پرہیز کرنے کی تلقین کی گئی ہے جو بدامنی کا باعث ہوا کرتے ہیں، یہاں تک کہ تیز آواز سے بولنے سے بھی منع کیا گیا ہے اور غیر مہذب

جارحانہ الفاظ کے استعمال سے روکا گیا ہے، اکڑ کر چلنے تک سے منع کیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''کان خلقه القرآن'' یعنی آپ کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے۔ قرآنی تعلیمات کے ساتھ سیرت میں انسانی حقوق کی بھرپور رعایت کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے ساتھ سب سے اچھا ہو۔

حدیث شریف میں ظلم وزیادتی، حق تلفی یہاں تک سواری اور جانوروں کے ساتھ بھی سخت معاملہ پر مذمت کی گئی ہے۔

یہ سارے انسانی حقوق قرآن وحدیث میں تفصیل سے مذکور ہیں، یہ رسالہ اسی موضوع پر تحریر کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس وقت انسانی حقوق کے سلسلہ میں مختلف جہتوں سے اسلام پر حملے کیے جارہے ہیں، اس کی وجہ سے ان ساری کوششوں کو دہشت گردی میں شمار کیا جاتا ہے جو اسلام کو عام کرنے کے لیے کی جارہی ہیں۔

یہ رسالہ میرے عزیز شاگرد مولوی محمد وثیق ندوی نے مرتب کیا ہے، انہیں اس کا بڑا سلیقہ اور ذوق ہے، اس سے پہلے بھی کئی مجموعے مرتب کرچکے ہیں، عربی سے اردو میں ترجمہ کے ساتھ حوالہ جات کی مراجعت بھی کی ہے، جزاہ اللّٰہ خیر الجزاء۔

امید ہے کہ اسلام کے بارے میں تہمتوں کے دفاع میں یہ مختصر رسالہ مفید ہوگا، وللّٰہ الحمد والشکر۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی	۲۰؍محرم؍۱۴۳۹ھ
ندوۃ العلماء لکھنو	۱۱؍اکتوبر؍۲۰۱۷ء

انسانی حقوق
قرآن کریم کی روشنی میں

ہر سال دسمبر کی ۱۰ ر تاریخ کو پوری دنیا میں انسانی حقوق کا دن منایا جاتا ہے، کیونکہ یہ وہ دن ہے جب عالمی جنگ کی تباہی کے بعد دنیا کی متمدن قوموں نے ایک عالمی اعلامیہ (Human Rights Charter) جاری کیا تھا جس میں عہد لیا گیا تھا کہ انسانی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے گی اور انہیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جائے گا، انسانوں کے درمیان کسی قسم کی نسلی، وطنی، مذہبی یا تہذیبی تفریق نہیں کی جائے گی؛ بلکہ ایسا ماحول فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی جس میں ہر انسان کو آزادی حاصل ہو، کسی کے احساسات وجذبات کو ٹھیس نہ پہنچے اور اس کے مذہب و عقیدہ کے ساتھ کھلواڑ نہ کیا جائے، بلکہ انسانیت کا احترام کیا جائے اور انسان کے جان و مال کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔

یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اب انسان کو آزادی نصیب ہوگی، اس کے جان و مال کا تحفظ کیا جائے گا اور ظالموں کے چنگل سے بے کس مظلوموں کو رہائی ملے گی، لہٰذا اس اعلان کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور مسلمانوں نے بھی بڑھ کر اس کا استقبال کیا؛ کیونکہ اس وقت مسلمان فوجی، فکری اور تہذیبی حملوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے اور بڑی قربانیوں کے بعد انہیں آزادی نصیب ہوئی تھی، لیکن اس آزادی کے حصول کے بعد بھی ان کے ذاتی امور میں مداخلت جاری رہی۔

لہٰذا اس اعلامیہ کا استقبال کرنا ان کی فطرت کے عین مطابق تھا اور ان کا مذہب بھی

انہیں اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ انسانیت کا احترام واکرام کریں اور انسان کی صرف جسمانی حفاظت نہ کریں؛ بلکہ اس کے احساسات وجذبات کا بھی لحاظ رکھیں، قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں اس طرح کی تعلیمات بہ کثرت موجود ہیں۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔

ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور بحر و بر دونوں میں سوار کیا، اور عمدہ قسم کا رزق فراہم کیا، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی (الاسراء:۷۰)

اسلام کی آمد سے پہلے انسان انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور معاشی مفادات کی وجہ سے ظلم وستم کا سامنا کر رہا تھا، اور خاص طور سے رومی سلطنت اور کلیسا کے دور جبر واستبداد میں انسان مذہبی مفادات کا نشانہ بنا ہوا تھا، اور زندگی کے ہر میدان میں وہ مصائب ومشکلات سے جوجھ رہا تھا، محض شبہ اور جھوٹی تہمت کی بنیاد پر سخت ترین سزاؤں کا سامنا کر رہا تھا، بلکہ اسے رجوع یا توبہ کرنے کی بھی مہلت نہیں دی جاتی تھی، قرون وسطی میں انسان سیاسی اور معاشی مظالم کا شکار تھا، اور تاریخ اس پر شاہد ہے۔ مغربی سامراج کے عہد میں انسانیت قسم قسم کے مظالم اور انسانیت سوز فتنوں سے دوچار ہوئی ہے، اور یورپ میں ایسے افکار ونظریات نے سر اٹھایا، جو انسانی شرافت کے قائل نہیں تھے؛ بلکہ ان کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ طاقت وقوت اور غلبہ حاصل کیا جائے اور کمزوروں اور مظلوموں پر حکومت کی جائے۔

اس تناظر میں یہ اعلان اس لائق تھا کہ وہ قومیں بڑھ کر اس کا استقبال کریں جو جنگوں سے نڈھال تھیں اور خاص طور سے مسلمان جن کے ملکوں پر مغربی سامراج کی یورش جاری تھی اور ان کے عقیدہ، دین اور تہذیب وتمدن پر حملے ہو رہے تھے۔

لیکن اس اعلان کے بعد کا زمانہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اعلان میں شامل تمام حقوق کی تنفیذ عمل میں نہیں آئی، بلکہ یہ اعلان صدا بہ صحراء ثابت ہوا، خاص طور سے مسلمانوں کے حقوق کی اعلانیہ پامالی کی جاتی رہی۔

زندگی کے تمام پہلوؤں کی رہنمائی کے لیے اسلام میں مؤثر تعلیمات موجود ہیں، اگر کوئی مسلمان ان تعلیمات کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کا عمل قابل قبول نہیں اور نہ اس کا عمل اسلامی کہلائے گا، قرآن نے اسلام کو ''مکمل دین'' قرار دیا ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے اور اس کو انسانوں پر اللہ کا فضل واحسان اور نعمت قرار دیا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورہ مائدہ:۳)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور دین کے طور پر تمہارے لیے اسلام کو پسند کرلیا۔

آداب حیات میں قرآن مکمل دستور ہے، عبادات، معاملات اور سلوک کے سارے پہلو قرآن میں آ گئے ہیں، اس کے لیے بعض جگہ عقیدہ کی شکل میں اور بعض جگہ براہ راست رہبری کے انداز میں احکام آئے۔

چنانچہ اسلامی تعلیمات کی صحیح اور سچی تصویر قرآن کریم، حدیث وسیرت نبوی، حیات صحابہ، علماء ربانیین، صلحائے امت اور دینی تعلیمات پر عمل پیرا داعیان اسلام کی زندگیوں میں نظر آتی ہے، نہ کہ نام کے مسلمان کی زندگی میں، اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں اس کی شاندار مثالیں موجود ہیں۔

انسانی حقوق قرآن کی روشنی میں

قرآن کریم میں انسانوں کے حقوق کی پاسداری اور بغیر کسی تفریق وامتیاز کے انسان کا احترام مرکزی موضوع کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى

اَمۡوَالِكُمۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوۡبًا كَبِيۡرًا ۝۲ (سورہ نساء:۱-۲)

"اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں کے ذریعہ بہت سے مرد و عورت کو پیدا کیا، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے سامنے تم دست سوال دراز کرتے ہو اور رشتہ داری کا خیال رکھو، بیشک اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے، اور یتیموں کو ان کا مال دیدو اور اچھے مال کے بدلے میں خراب مال نہ دو، اور اپنے مالوں کو ان کے مالوں کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ، بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔"

اسلام انسانی حقوق اور کرامت انسانی کی پاسداری اتنی کرتا ہے کہ تمسخر، استہزاء اور طعن و تشنیع کی بھی اجازت نہیں دیتا، قرآن کریم صراحت کے ساتھ اعلان کرتا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَسۡخَرۡ قَوۡمٌ مِّنۡ قَوۡمٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا خَيۡرًا مِّنۡهُمۡ وَلَا نِسَآءٌ مِّنۡ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُنَّ خَيۡرًا مِّنۡهُنَّ ۚ وَلَا تَلۡمِزُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَلَا تَنَابَزُوۡا بِالۡاَلۡقَابِ ؕ بِئۡسَ الِاسۡمُ الۡفُسُوۡقُ بَعۡدَ الۡاِيۡمَانِ ۚ وَمَنۡ لَّمۡ يَتُبۡ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۱۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا كَثِيۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۚ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا يَغۡتَبۡ بَّعۡضُكُمۡ بَعۡضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ يَّاۡكُلَ لَحۡمَ اَخِيۡهِ مَيۡتًا فَكَرِهۡتُمُوۡهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۲ (الحجرات:۱۱-۱۲)

اے مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں، اور اپنے مومن بھائی کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو، ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے، اور جو توبہ نہ کریں، وہ ظالم ہیں، اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، کہ بعض گمان گناہ ہیں، اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کرو، اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت

کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا خوف رکھو، بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

قومیت اور عصبیت کی بنیاد پر تفریق کی ممانعت

اسلام قومیت اور عصبیت کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان تفریق کرنے سے روکتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾ [سورہ حجرات:۱۳]

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور ہم نے تم کو مختلف کنبوں اور خاندانوں میں بانٹ دیا تا کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے، بیشک اللہ جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔''

قتل نفس کی حرمت

اسلام نے کرامتِ انسانی کو مجروح کرنے والے اسباب و وسائل پر ہی قدغن لگادی ہے اور ان پر پابندی عاید کردی ہے، قتل نفس اور قتل اولاد کو قرآن کریم نے بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

مَن قَتَلَ نَفساً بِغَيرِ نَفسٍ أَو فَسادٍ فِي الأَرضِ فَكَأَنَّما قَتَلَ النّاسَ جَمِيعًا وَمَن أَحياها فَكَأَنَّما أَحيا النّاسَ جَمِيعًا (سورہ مائدۃ:۳۲)

''جس نے کسی کو ناحق قتل کیا یا زمین میں فساد مچایا تو گویا کہ اس نے پوری انسانیت ہی کو قتل کر دیا اور جس نے کسی نفس کو زندگی بخشی تو گویا کہ اس نے پوری انسانیت کو زندگی عطا کی۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ

قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ (سورہ اسراء:۳۱)

"اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا، کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔"

دوسرے مذاہب کا احترام

اس تکریم میں عقیدہ کا بھی احترام شامل ہے؛ اس لئے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو برا بھلا کہنے، ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے اور دوسرے مذاہب کی مقدس و محترم ہستیوں کے سلسلے میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرۃ:۲۸۵)

"رسول رب کی طرف سے نازل ہونے والے احکام پر ایمان لے آئے اور ایمان والے بھی، سب کے سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، کہ ہم اس کے رسولوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے۔"

غیر مسلموں کے معبودوں کے بارے میں ہدایات ہیں کہ ان کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال نہ کیے جائیں جن سے ان کے ماننے والوں میں ردعمل ہو۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورہ انعام:۱۰۸)

"اور جن کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو، کہ وہ ناسمجھی میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں، اسی طرح ہر امت کے عمل کو ہم نے ان کے لیے خوشنما بنا دیا ہے، پھر اپنے رب ہی کی طرف ان کو لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ بتا دے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے۔"

اس طرح مسلم معاشرہ اور غیر مسلم معاشرہ کے درمیان بھی خوشگوار تعلقات قائم ہوں گے، اس احتیاط کے ساتھ کہ ان کے عقائد اور طرز زندگی سے محفوظ رہے۔

یتیموں اور بچوں کے حقوق

قرآن کریم یتیموں، بچوں، ناداروں اور فقراء کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے ساتھ ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے، ان کے مال کی حفاظت اور جائز طریقہ سے اس کے استعمال کے سلسلہ میں قرآن کہتا ہے:

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْۗـــــًٔـا مَّرِيْۗـــــًٔـا ۝ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِيْھَا وَاكْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى ٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْھَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْھِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْھِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

(سورہ نساء: ۲-۶)

''اور یتیموں کو ان کے مال حوالہ کردو اور برے (مال) کو اچھے (مال) سے بدل مت لو اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں میں ملا کر مت کھاؤ، یقیناً یہ بڑا گناہ ہے، اور اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے سلسلہ میں ناانصافی کا ڈر ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند

آئیں ان میں دو اور تین اور چار تک سے نکاح کر سکتے ہو، اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم برابری نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر یا (باندیوں پر اکتفا کرو)، جو تمہاری ملکیت میں ہوں، اس میں لگتا ہے کہ تم ناانصافی سے بچ جاؤ گے اور عورتوں کو خوشی خوشی ان کا مہر دے دیا کرو اور وہ اگر تمہارے لیے خوش دلی سے کچھ چھوڑ دیں تو اسے ذوق وشوق سے کھاؤ اور ناسمجھوں کو اپنے وہ مال حوالہ نہ کردو جن کو اللہ نے تمہارے لیے (زندگی) کا سرمایہ بنایا اور ان کو اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کہتے رہو اور یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان میں عقل کی پختگی محسوس کرلو تو ان کے مال ان کے حوالہ کردو اور اس ڈر سے کہ وہ بڑے نہ ہو جائیں تم اس کو فضول خرچی کے ساتھ جلدی جلدی اڑا مت ڈالو، اور جو مالدار ہو تو اس کو پوری طرح بچنا چاہئے اور جو تنگدست ہو تو دستور کے مطابق کھا سکتا ہے، پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالہ کردو تو ان پر گواہ بنا لو اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے۔

میراث کی تقسیم کے وقت فقراء اور یتیموں کا خیال

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (سورہ نساء: ۷-۱۰)

”ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جو کچھ بھی چھوڑ جائیں اس میں مردوں کے لیے بھی حصہ ہے، اور ماں باپ اور قریبی رشتہ دار جو کچھ چھوڑ جائیں اس میں عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، حصہ طے شدہ ہے، اور

جب تقسیم کے وقت رشتہ دار یتیم اور نادار آجائیں توان کو بھی اس میں سے کچھ دیدو اور ان سے اچھی بات کرو، اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ (خود) اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ کر جائیں تو انہیں ان کی کیسی فکر رہے، تو انہیں چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں، اور ٹھیک بات کہیں، بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ جہنم سے پیٹ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑیں گے۔"

عدل وانصاف کی تاکید

اسلام نے زندگی کے ہر میدان میں حتی کہ سیاست کے باب میں بھی عدل وانصاف اختیار کرنے کی تاکید کی ہے، نیز بدسلوکی کرنے والے کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (المائدۃ:۲)

"کسی قوم سے اس بات کا بغض کہ انہوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا تھا تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کرو اور تم لوگ تقویٰ اور نیکی کے کام میں تعاون کرو اور گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔"

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۔ (المائدۃ:۸)

"اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کیساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو اور کسی قوم کی دشمنی تم کو انصاف کی ڈگر سے ہٹا نہ دے، عدل وانصاف سے کام لو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اللہ سے ڈرو،

اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے!"

والدین کے ساتھ حسن سلوک

اسلام اور دوسرے مذاہب میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ہر مذہب فرد کو خطاب کرتا ہے، اور اس کی زندگی میں اصلاح اور بندہ اور خالق کے درمیان تعلق اس مذہب کے اعتبار سے قائم کرتا ہے، جبکہ اسلام کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دین اور دنیا کو جمع کرنے کے لیے فرد، خاندان، سماج اور پوری انسانیت کے درمیان رابطہ کو اہم مقصد قرار دیتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ "خیرکم خیرکم لأهله وأنا خیرکم لأهلی" (سنن ابن ماجہ)۔ اس کی بڑی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم میں خدا کے حق کے ساتھ والدین کے ساتھ حسن سلوک کو بیان کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا (سورہ نساء: ۳۶)

"اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور حسن سلوک رکھو والدین کے ساتھ۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝۲۴ (سورہ اسراء: ۲۳-۲۴)

"اور تیرے رب نے حکم کر دیا کہ بجز اس کے کسی اور کی عبادت مت کرو، اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو، اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی ہوں بھی مت کرنا، اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے نرمی سے انکساری سے جھکے رہنا اور دعا کرتے رہنا کہ میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمایئے

جیسا کہ انہوں مجھ کو بچپن میں پالا"۔
شرک کی حالت میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے:۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا۔ (سورہ لقمان: ۱۴-۱۵)

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (حسن سلوک کی) تاکید کی، اس کی ماں نے تھک تھک کر اس کا بوجھ اٹھایا اور دو سالوں میں اس کا دودھ چھڑایا کہ میرا حق پہچانو اور اپنے ماں باپ کا حق پہچانو، لوٹ کر میرے ہی پاس آنا ہے، اور وہ اگر تمہیں اس پر مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ شرک کرو جس کا تم کو کوئی علم نہیں، تو ان کی بات نہ ماننا، اور دنیا میں ان کے ساتھ برتاؤ کیے جانا"

خاندان کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک

والدین کے حسن سلوک کے ذکر کے ساتھ خاندان کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر لایا گیا ہے اور ان ساری باتوں سے منع کیا گیا ہے جو ان تعلقات کو خراب کر سکتی ہیں، اس سلسلہ میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں میں بڑی تفصیل ہے اور ان سارے اعمال سے روکا گیا ہے جن سے یہ تعلقات متاثر ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بدگمانی اور شک سے بھی منع کیا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ﴿١٢﴾

(سورہ حجرات: ۱۲)

"اے مومنو! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، کہ بعض گمان گناہ ہیں، اور ایک

دوسرے کے حال کا تجسس نہ کرو، اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے، کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو) اور خدا کا خوف رکھو، بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔"

والدین کے حسن سلوک کے ساتھ اولاد اور بھائیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا ذکر ہے، اگر ماں کا فرق ہے تو اس سے پیدا ہونے والے حالات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، تا کہ اس سے بچا جا سکے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ (سورہ بقرہ: ۲۳۳)

"مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک دودھ پلائیں، یہ اس کے لیے ہے جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہے اور جس کا وہ بچہ ہو اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان عورتوں کا کھانا کپڑا ہے، کسی کو طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کیا جاتا نہ تو ماں کو اپنے بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اپنے بچہ کی وجہ سے، اور وارث کے ذمہ بھی یہی ہے، بس اگر وہ آپس کی رضامندی اور مشورہ سے (مدت پوری ہونے سے پہلے) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں اور اگر تم اپنی اولاد کو (کسی اور سے) دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اگر تم کو جو دینا ہے وہ تم نے بھلائی کے ساتھ حوالہ کر دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان

رکھو کہ تم جو کچھ کرتے ہو یقیناً اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔"

شوہر و بیوی کے تعلقات کی تفصیل

شوہر اور بیوی کے تعلقات جو خاندان کے لیے بہت زیادہ اہم ہوتے ہیں، اسی طرح تجارت اور میراث کی تقسیم جو اکثر تنازعات کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کی رہنمائی کا ذکر کیا گیا اور اس کے اصول و ضوابط بیان کیے گئے ہیں۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل کی قرآن میں بہت وضاحت ہے:۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـــًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿١٩﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَـيْـــًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿٢١﴾ (سورہ نساء: ۱۹-۲۱)

"اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی اپنی میراث بنالو اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم ان کو قید کرلو تاکہ تم ان کو جو دے چکے ہو اس میں سے کچھ وصول کرلو، سوائے اس کے کہ وہ کھلی برائی کریں، اور ان (عورتوں) کے ساتھ اچھی گزر بسر کرو اور اگر تم ان کو نہیں بھی پسند کرتے تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بہتری رکھی ہو، اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدل کرلانا چاہو اور تم ایک کو ڈھیر سارا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو، کیا تم اس کو بہتان کے راستہ سے اور کھلا گناہ کر کے لوگے، اور تم اس کو کیسے لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے دخیل رہ چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد لے رکھا ہے۔"

اور اگر تعلقات قائم نہ ہوں اور جدائی یقینی ہو تو اس کو قرآن شریف میں حسن

سلوک کے ساتھ انجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ (سورہ نساء: ۳۴۔ ۳۵)

”اور جن عورتوں کی بدخوئی کا تمہیں ڈر ہو تو ان کو سمجھاؤ اور ان کے بستر الگ کر دو اور ان کو تنبیہ کرو، پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کسی راستہ کی تلاش میں مت پڑو، بیشک اللہ ہی بلند اور نہایت بڑائی والا ہے، اگر تمہیں ان دونوں کے آپس کے توڑ کا ڈر ہو تو ایک فیصلہ کرنے والا مرد کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا عورت کے خاندان سے کھڑا کرو، اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں جوڑ پیدا فرمادے گا، بیشک اللہ خوب جاننے والا پورا باخبر ہے۔“

طلاق کی حالت میں بھی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۗ (سورہ بقرہ: ۲۳۱)

”اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی (عدت کی) مدت کو پہنچیں تو یا تو بہتر طریقہ پر ان کو روک لو یا اچھی طرح سے رخصت کر دو اور ان کو نقصان پہنچانے کے لیے مت روکنا کہ تم زیادتی کرنے لگ جاؤ اور جس نے ایسا کیا تو اس نے اپنے ساتھ ظلم کیا۔“

میراث کی تقسیم میں حقوق کی پاسداری

قرآن کریم نے میراث کے مستحقین اور ان کے حصے مقرر کر دیے ہیں تا کہ

میراث کی تقسیم میں انصاف سے کام لیا جائے، مستحقین کو ان کا حق مل جائے، خاندانی اور معاشرتی ہم آہنگی اور آپسی بھائی چارہ کا ماحول قائم رہے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۚ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ (سورہ نساء: ۱۱-۱۳)

''اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لیے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اور اگر دو سے اوپر صرف عورتیں ہیں تو (مورث) جو چھوڑ جائے اس کا دو تہائی ان کا ہے، اور اگر صرف ایک ہی عورت ہے تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے اور ماں باپ میں دونوں کے لیے اگر

(مورث) کے اولاد ہے تو چھٹا حصہ ہے اور اگر اولاد نہیں ہے اور صرف ماں باپ ہی وارث ہیں تو ماں کا تہائی حصہ ہے، اور اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے، یہ (ساری تقسیم) اس وصیت کے نفاذ کے بعد ہوگی جو وہ کر گیا ہے اور قرض (کی ادائیگی) کے بعد، تمہارے ماں باپ اور تمہارے بیٹوں میں تم نہیں جانتے کہ تمہارے لیے نفع بخش کون ہے، یہ اللہ کی طرف سے لازم کردہ ہے، بیشک اللہ خوب جاننا بڑی حکمت رکھتا ہے، اور جو کچھ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کے اولاد نہ ہو تو تمہارا آدھا (حصہ) ہے اور اگر ان کے اولاد ہو تو وہ جو بھی چھوڑ جائیں اس کا چوتھائی حصہ تمہارا ہے اس وصیت (کے نکال لینے) کے بعد جو وہ وصیت کر جائیں یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد، اور تم جو چھوڑ جاؤ اس میں ان کے لیے چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو، اور اگر تمہارے اولاد ہو تو تم جو بھی چھوڑ جاؤ اس کا آٹھواں حصہ ان کا ہے، اس وصیت (کے نکال لینے) کے بعد جو وہ وصیت کر جائیں یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد، اور اگر کوئی مورث مرد یا عورت ایسا ہو کہ اس کے اصول وفروع نہ ہوں، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، اس وصیت (کے نکال لینے) کے بعد جو وہ وصیت کر جائیں یا قرض (کی ادائیگی) کے بعد کسی کو نقصان پہنچائے بغیر، یہ اللہ کی طرف سے ایک تاکیدی حکم ہے اور اللہ خوب جاننا ہے بہت تحمل والا ہے۔ یہ اللہ کے طے کردہ حدود ہیں، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرے گا اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور یہی زبردست کامیابی ہے۔"

غرور وتکبر کی ممانعت

معاشرہ میں امیر وغریب، طاقتور اور کمزور افراد کی حیثیتیں ہوتی ہیں جن کے لیے

مقررہ حقوق تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔اس کے رو سے انفرادی زندگی، خاندانی زندگی، سماجی زندگی، اقتصادی زندگی، سیاسی زندگی اور اخلاق و کردار، ان سارے پہلوؤں پر قرآن کریم میں روشنی ڈالی گئی ہے، حتی کہ تیز آواز سے بولنا جو دوسرے کے لیے باعث تکلیف ہو، مثلاً سخت لہجہ، اور ایسی چال چلنا جس سے تکبر اور غرور ظاہر ہو، تمسخر اور دوسرے کی شان میں جارحانہ الفاظ استعمال کرنا، ان سب سے منع کیا گیا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾ وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾ (سورہ لقمان:۱۸-۱۹)

''اور لوگوں کے لیے گال مت پھلاؤ، اور نہ زمین میں اکڑ کر چلو، بلاشبہ کسی اکڑنے والے، اترانے والے کو اللہ پسند نہیں کرتا اور درمیانی چال چلو اور آواز دھیمی رکھو، یقیناً بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے۔''

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِندَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

(سورہ اسراء:۳۷-۳۸)

''اور زمین پر اکڑ کر اور تن کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا، اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ جائے گا، ان سب عادتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے۔''

غصہ سے اجتناب اور عفو و درگزر کی تلقین

اختلاف میں حلم و تحمل، عفو و درگزر اور مصالحت کو ترجیح دی گئی ہے، حجت اور مخاصمہ سے روکا گیا ہے۔غصہ جو اکثر معاملات اور تعلقات کو متاثر کر دیتا ہے اور غصہ کی ہی وجہ سے اکثر آدمی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے جس سے نتائج خراب ہو جاتے ہیں، اس سے روکا گیا ہے۔

الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ

عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ (آل عمران:۱۳۴)

''یہ وہ لوگ ہیں جو خوشی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ بہتر کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔''

حالت جنگ میں حسن سلوک کی تاکید

عام زندگی کے علاوہ حالت جنگ کے احکام وآداب قرآن کریم نے بیان کیے ہیں، ہدایات دی ہیں اور حسن سلوک کی تلقین کی ہے، غیر مقاتل کے ساتھ حسن سلوک کو ترجیح دی ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶﴾ (سورہ توبہ:۶)

''اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دیجیے یہاں تک وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی اطمینان کی جگہ پہنچا دیجیے، یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جو جانتے نہیں۔''

دعوت واصلاح میں حکمت اور صبر وبرداشت کی تلقین

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۗ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۗ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ (سورہ نحل:۱۲۵-۱۲۸)

''اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلاتے رہیے، اور اچھے طریقہ پر ان سے بحث کیجیے، بلاشبہ آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستہ سے بھٹک گیا اور وہ صحیح راستہ چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے، اور اگر تم کو

بدلہ لینا ہی ہو تو اتنا ہی لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچی اور اگر تم صبر کرلو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے، اور آپ صبر کیجیے اور اللہ ہی کی مدد سے آپ صبر کر سکیں گے اور ان پر غم نہ کھائیے اور جو وہ چالیں چلتے ہیں اس سے تنگی میں مت پڑیئے، بلاشبہ اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور جو نیکی کرنے والے ہیں۔"

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝۳۳ وَلَا تَسۡتَوِى الۡحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدۡفَعۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِىۡ بَيۡنَكَ وَبَيۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيۡمٌ ۝۳۴ وَمَا يُلَقّٰٮهَاۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا ۚ وَمَا يُلَقّٰٮهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِيۡمٍ ۝۳۵

(سورہ فصلت: ۳۳-۳۵)

"اور اس سے اچھی بات کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور اچھے کام کیے، اور کہا کہ میں تو فرمانبردار ہوں اور اچھائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں (بری بات کا) جواب ایسا دو جو بہت اچھا ہو تو دیکھو گے کہ جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی تھی اب گویا وہ جگری دوست ہے، اور یہ بات اسی کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوں اور اسی کو ملتی ہے جو بڑی قسمت والا ہو۔"

خیر و بھلائی کا کام کرنے والوں کی ضرورت

وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۱۰۴ (سورہ آل عمران: ۱۰۴)

"اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلاتی رہے اور بھلائی کے لیے کہتی رہے اور برائی سے روکتی رہے اور یہی لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں"

امانتوں کی ادائیگی

انسانی سماج میں امن وامان اور اخوت ومحبت کا ماحول بنانے کے لیے امانتوں اور ذمہ داریوں کی ادائیگی اور استحقاق اور صلاحیتوں کے اعتبار سے تقسیم کار کی ضرورت ہوتی ہے، قرآن نے اس پہلو پر

بھرپور توجہ دی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝ (سورہ نساء:۵۸)

''تمہارے لیے اللہ کا ارشاد یہ ہے کہ تم امانتوں کو امانت والوں تک پہنچادو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بلاشبہ کیا خوب نصیحت ہے جو اللہ تمہیں فرماتا ہے، بیشک اللہ خوب سننے والا خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔''

تجارت و معیشت کی واضح ہدایات

اسلام اقتصادیات میں بھی شرافت انسانی کی تذلیل وتوہین سے منع کرتا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں بہت سی آیتیں ہیں جو لوگوں کو اس بات پر ابھارتی ہیں کہ فقراء ومساکین پر اپنا مال خرچ کریں اور دوسروں کو ترجیح دیں۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الحشر:۹)

''اور وہ خود پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انہیں ضرورت ہو، اور جو حرص وہوس سے بچالیے گئے وہی لوگ کامیاب ہیں''۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝

(الانسان:۸)

''اور باوجودیکہ انہیں کھانے کی چاہت ہو وہ مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

کسب مال کے بارے میں غلط طریقوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۲۹ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰ (سورہ نساء:۲۹-۳۰)

''اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو ناحق مت کھاؤ، سوائے اس کے کہ آپس کی رضامندی سے کوئی تجارت ہو، اور ایک دوسرے کا خون مت کرو، بلاشبہ اللہ تم پر بہت مہربان ہے اور جو بھی سرکشی اور ظلم کے ساتھ ایسا کرے گا تو ہم اس کو آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں۔''

مال خرچ کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور احسان جتلانے سے منع کیا گیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶۴ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵

(سورہ بقرہ: ۲۶۴-۲۶۵)

''اے ایمان والو! احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اپنی خیرات کو اس شخص کی طرح برباد مت کرو جو لوگوں کو دکھانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر، تو اس کی مثال اس چٹان کی طرح ہے جس پر کچھ مٹی ہے پھر اس پر موسلادھار بارش ہوئی تو اس نے اس کو بالکل چکنا چھوڑ دیا وہ اپنی کمائی سے کچھ بھی حاصل نہ کرسکیں گے اور اللہ انکار

کرنے والے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے اور دلجمعی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، اس باغ کی طرح ہے جو ایک ٹیلے پر ہو اس پر موسلا دھار بارش ہوئی تو اس نے دوگنا پھل دیے اور اگر موسلا دھار بارش نہ بھی ہوئی تو پھوار تو ہے ہی اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (بقرہ: ۲۶۷-۲۶۸)

''اے ایمان والو! اپنی پاک کمائی میں سے اور ہم نے زمین سے جو کچھ تمہارے لیے نکالا ہے اس میں سے خرچ کیا کرو اور ناپاک مال کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ اس میں سے خرچ کرنے لگو حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے والے نہیں، سوائے اس کے کہ اس میں تم چشم پوشی کر جاؤ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز ہے، قابل ستائش ہے، شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور بے حیائی پر آمادہ کرتا ہے اور اللہ اپنے پاس سے مغفرت اور انعام کا تم سے وعدہ کرتا ہے اور اللہ ہی وسعت والا خوب باخبر ہے۔''

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (بقرہ: ۲۷۴)

''جو لوگ اپنے مالوں کو دن رات خرچ کرتے رہتے ہیں چھپ کر بھی اور کھل کر بھی تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

بخل کی مذمت

اسی کے ساتھ قرآن کریم نے بخل کو بہت ہی مذموم عمل قرار دیا ہے، بلکہ مال روکنے اور خرچ نہ کرنے اور مستحقین کی مدد نہ کرنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَخَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَشَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ (آل عمران:۱۸۰)

''جولوگ مال میں جو خدا نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے بخل کرتے ہیں وہ اس بخل کو اپنے حق میں اچھا نہ سمجھیں (وہ اچھا نہیں) بلکہ ان کے لئے برا ہے، وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اس کا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔''

کسب مال کی ترغیب

اسلام نے مال کمانے کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، قرآن کریم میں تجارت اور مال کے حصول کے لیے سفر کرنے اور کوشش کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ [سورہ بقرہ:۱۹۸]

''اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ اپنے پروردگار سے روزی طلب کرو۔''

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ [سورہ فاطر:۱۲]

''اور تم دریاؤں میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو پھاڑتی چلی آتی ہیں تا کہ تم اس کے فضل سے معاش تلاش کرو۔''

سورہ مزمل میں ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ

سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ
مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا
تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا
حَسَنًا ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا
وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۭ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ (سورہ مزمل:۲۰)

''تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات قیام کیا کرتے ہو، اور خدا تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے، اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے، تو اس نے تم پر مہربانی کی، پس جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو، اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں اور بعض خدا کے فضل (معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو، اور نماز پڑھتے رہو، اور زکوۃ ادا کرتے رہو، اور خدا کو نیک (اور خلوص نیت سے) قرض دیتے رہو، اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے، اس کو خدا کے یہاں بہتر اور صلہ میں بزرگ تر پاؤ گے اور خدا سے بخشش مانگتے رہو بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے۔''

سود کی ممانعت

اسلام نے اس رعایت اور سہولت کے ساتھ جو اس نے مال کے حصول کے لیے دی ہے جو دوسرے مذاہب نے نہیں دی، مال کے ضوابط بھی مقرر کیے ہیں، مال کے حصول کے وسائل کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے، جو جائز ہیں، اور ان وسائل سے حاصل کیا گیا مال جائز بلکہ اللہ کا فضل ہے، اور ان وسائل کو بھی بیان کیا ہے جو حرام ہیں اور ان ذرائع سے حاصل کئے جانے والا مال حرام، مثلاً سود، اس کو اللہ تعالیٰ سے جنگ قرار دیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ

مُّؤْمِنِيْنَ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾

[سورہ بقرہ:۲۷۸-۲۷۹]

مومنو! خدا سے ڈرو، اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ کہ تم خدا اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے (اور اگر سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے، جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۚ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ﴿۲۷۶﴾ [سورہ بقرہ:-۲۷۶-۲۷۵]

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس طرح کھڑے ہوتے ہیں جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو، یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا بھی ویسا ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ سودے کو خدا نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام، تو جس شخص کے پاس خدا کی نصیحت پہونچی اور سود لینے سے باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا ہے وہ اس کا، اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد، اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے، خدا سود کو نابود کرتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور خدا کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

(سورہ روم:۳۹)

''اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی، اور جو تم زکوۃ دیتے ہو اور اس سے خدا کی رضامندی طلب کرتے ہو تو وہ موجب برکت ہے اور ایسے ہی لوگ اپنے مال کو دو چند سہ چند کرنے والے ہیں۔''

اسی طرح تولنے میں خیانت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ؕ﴿۳﴾ (سورۃ تطفیف:۱-۳]

''ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔''

کسب اور انفاق کے درمیان اعتدال کی تلقین

مال کے حصول اور خرچ کے درمیان اعتدال اسلام کا بنیادی موقف ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾ [سورۃ الفرقان:۶۷]

''اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اُڑاتے ہیں اور نہ وہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ، ضرورت سے زیادہ نہ کم۔''

مال کے حصول کی کوشش کو اسلام نے عبادت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

[سورۃ الجمعۃ:۱۰]

''پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور خدا کا فضل تلاش کرو''

لیکن اس کے ساتھ ایسی مشغولیت سے منع کیا جو ذکر اللہ اور عبادت اور دوسری ذمے داریوں کی ادائیگی میں حائل ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ [سورۃ النور:۳۷]

یعنی ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔

ذخیرہ اندوزی کے برے نتائج کا ذکر

اسی طرح ذخیرہ اندوزی اور مال بڑھانے کی ہوس کی بھی مذمت کی ہے، اور اس کے برے نتائج سے آگاہ کیا ہے، اس کے لیے قارون اور باغ والوں کا قصہ تفصیل سے بیان کیا ہے، اور ترغیب کے ذریعہ مستحقین پر خرچ کرنے کو اتنی تفصیل سے بیان کیا ہے کہ بعض صحابۂ کرام کو احساس ہوا کہ ان کے کمائے ہوئے مال میں ان کا کوئی حق نہیں۔ قارون کا قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓأُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۚ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْاَرْضِ ۖ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۷۷﴾ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ ۖ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ۖ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ ۖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ

عَظِيۡمٍ۝ وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَيۡلَكُمۡ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لِّمَنۡ
اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰٮهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوۡنَ۝ فَخَسَفۡنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ
الۡاَرۡضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنۡ فِئَةٍ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۖ وَمَا كَانَ مِنَ
الۡمُنۡتَصِرِيۡنَ۝ وَاَصۡبَحَ الَّذِيۡنَ تَمَنَّوۡا مَكَانَهٗ بِالۡاَمۡسِ يَقُوۡلُوۡنَ
وَيۡكَاَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ وَيَقۡدِرُ ۚ لَوۡلَاۤ اَنۡ مَّنَّ
اللّٰهُ عَلَيۡنَا لَخَسَفَ بِنَا ؕ وَيۡكَاَنَّهٗ لَا يُفۡلِحُ الۡكٰفِرُوۡنَ۝ تِلۡكَ الدَّارُ
الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ؕ
وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ۝ (سورہ قصص:۷۶-۸۳)

"یقیناً قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، تو اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ ان کی چابیاں طاقتور پہلوانوں کو تھکا دیتی تھیں، اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا ؤ مت، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور تمہیں اللہ نے جو دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی طلب میں لگو، اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھولو، اور جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے تم بھی (دوسروں کے ساتھ) بھلائی کرو اور زمین میں بگاڑ مت چاہو، یقیناً اللہ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا ہے، وہ بولا یہ تو میرے علم سے مجھے ملا ہے کیا اسے پتہ نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے کتنی ایسی قوموں کو ہلاک کر دیا جو اس سے زیادہ طاقتور اور زیادہ دولت والی تھیں اور مجرموں سے ان کے جرائم کی تحقیق نہیں کی جائے گی، پھر وہ اپنی سج دھج کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا تو جو دنیاوی زندگی کے طلبگار تھے وہ کہنے لگے کاش ہمیں بھی وہ حاصل ہوتا جو قارون کو حاصل ہے، یقیناً وہ تو بڑا نصیب والا ہے، اور جن کو علم حاصل تھا انہوں نے کہا تمہارا ناس ہو، اللہ کا ثواب ایمان لانے والوں اور اچھے کام کرنے والوں کے لیے کہیں بہتر ہے اور یہ چیز صرف صبر کرنے والوں ہی کو ملا کرتی ہے، پھر ہم نے اس کو اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا تو اس کے لیے کوئی

گروہ ایسا نہ ہوا جو اللہ کے مقابلہ میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود اپنا بچاؤ کر سکا، اور اب وہ لوگ جو کل اس کی جگہ ہونے کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے یقیناً اللہ اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ فرما دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی دھنسا دیتا، ہو نہ ہو انکار کرنے والے کامیاب نہیں ہو سکتے، یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے تیار کیا ہے جو زمین میں نہ بڑائی کے خواہش مند رہتے ہیں، اور نہ فساد کے، اور انجام پرہیز گاروں ہی کے حق میں ہے۔"

باغ والوں قصہ

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ
وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ
اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ
فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾ وَدَخَلَ
جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿٣٥﴾ وَّمَاۤ
اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا
مُنْقَلَبًا ﴿٣٦﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ
تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿٣٧﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ
بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿٣٨﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا
بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ
خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ
صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾
وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ
عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ

فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ (سورہ کہف: ۳۲-۴۴)

''اور آپ ان کے سامنے ان دو آدمیوں کی مثال پیش کیجیے جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیے اور ان دونوں کو کھجور کے درختوں سے گھیر دیا اور دونوں کے درمیان کھیتی رکھی، دونوں باغ اپنے پھل دیتے اور ان میں ذرا بھی کمی نہ ہوتی اور دونوں کے بیچ سے ہم نے نہر نکال دی اور اس کو پھل ملا تو وہ گفتگو کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ میں مال میں بھی تم سے زیادہ ہوں اور جتھے میں بھی تم سے زیادہ مضبوط ہوں، اور وہ اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنی جان پر ستم ڈھا رہا تھا، بولا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ کبھی برباد بھی ہوگا اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے رب کے پاس لوٹایا گیا تو بھی واپس ہونے پر مجھے اس سے بہتر ہی جگہ ملے گی، اس کے ساتھی نے اس سے گفتگو کے دوران کہا کیا تم اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے تم کو مٹی سے پھر پانی کے قطرہ سے بنایا پھر ایک آدمی بنا کر کھڑا کر دیا، البتہ میں تو یہی کہوں گا کہ) وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو ساجھی نہیں مانتا اور کیوں نہ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے اور مجھے تم نے مال و اولاد میں اپنے سے کمزور دیکھا تو تم یہ کہتے کہ جو اللہ نے چاہا (وہ ہوا) قوت سب اللہ ہی کے قبضہ میں ہے تو اب ہوسکتا ہے کہ میرا رب تم سے بہتر باغ مجھے عطا فرما دے اور اس پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے تو وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے، یا اس کا پانی تہوں میں چلا جائے تو تم اس کو تلاش بھی نہ کر سکو اور (یہی ہوا) اس کے پھل (آفت کے) گھیرے میں آ گئے، بس اس نے اس میں جو کچھ خرچ کیا تھا، اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا، وہ سب اپنی ٹٹیوں کے بل گرے پڑے تھے اور کہہ رہا تھا کاش کہ میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا اور نہ کوئی اس کا جتھا ہوا جو اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا یہاں (یہ بات

کھل گئی کہ) سب اختیار اللہ ہی کا ہے جو حق ہے وہی بہتر انعام دینے والا اور
وہی بہتر بدلہ دینے والا ہے۔"

اسلامی معیشت کی خصوصیت

کسب مال اور انفاق کے درمیان توازن اقتصاد اسلامی کی بنیادی خصوصیت ہے، اور اسی میں سماج کے درمیان طبقاتی فرق کا حل مضمر ہے، اشترا کی اقتصادیات میں صاحب مال کا استحصال ہے، اور سرمایہ دارانہ نظام میں محنت کش طبقہ کا استحصال ہے، اسلام دونوں کے درمیان ایک متوازن نظام پیش کرتا ہے اور اس میں جبر واکراہ کا راستہ اختیار نہیں کرتا بلکہ ترغیب اور ترہیب کا راستہ اختیار کرتا ہے۔

لین دین کے معاملات کو لکھنے کی تاکید

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَن تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِن تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ (سورہ بقرہ:۲۸۲)

"اے یمان والو! جب تم کسی متعین مدت کے لیے ادھار کا معاملہ کیا کرو تو لکھ لیا کرو، اور تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا جیسا کہ اللہ نے اس کو علم دیا ہے لکھنے سے انکار نہ کرے، تو وہ لکھے اور جس پر حق ہے وہ لکھوائے اور اللہ سے جو اس کا رب ہے ڈرتا رہے اور اس میں کچھ کمی نہ کرے، پھر اگر وہ شخص جس پر حق ہے کم عقل ہو یا کمزور ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوائے اور اپنے لوگوں میں سے دو کو گواہ بنالو پھر اگر دونوں مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو، کہ ہوسکتا ہے ان میں کوئی گڑبڑا جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں اور (ادھار معاملہ) چھوٹا ہو یا بڑا جو متعین مدت سے وابستہ ہو تم اس کے لکھنے میں کاہلی مت کرو، یہ اللہ کے یہاں زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے، اور اس سے قریب تر ہے کہ تم شک میں نہ پڑو سوائے اس کے کہ وہ نقد تجارت ہو جس کو تم آپس میں کررہے ہو تو تمہارے لیے کوئی حرج نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو اور جب معاملہ کرو گواہ بنالیا کرو اور نہ لکھنے والے کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے اور نہ گواہ کو، اگر تم ایسا کرو گے تو یقیناً وہ گناہ تمہارے ساتھ لگ جائے گا اور اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔"

اسلام کا مثالی معاشرہ

اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرتا ہے جس میں خاندان اور سماج کے، قوم اور افراد کے پورے ماحول میں ایک مسلمان تعمیر کا سبب بنے، تخریب کا سبب نہ بنے، قرآن کہتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ (سورہ انفال:۲۹)

"اے ایمان والو! اگر تم اللہ کا لحاظ رکھو گے تو وہ تمہیں ایک امتیاز عطا فرمائے گا اور تمہارے گناہ پر پردہ ڈال دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تو بڑا فضل والا ہے۔"

مندرجہ ذیل آیات قرآنی میں مطلوبہ مثالی اسلامی معاشرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ آیات قرآنی مسلمانوں کی زندگی کا منشور ہے اور وہ آئینہ ہے جس میں مسلمانوں کی زندگی کی صحیح تصویر دیکھی جاسکتی ہے، عقیدہ، عبادت اور سلوک و کردار میں اس کا کیا عمل ہونا چاہئے اس کی بھی صحیح تصویر ملتی ہے اور ان آیات شریفہ میں جو اوامر و نواہی ہیں ان ہی کے مطابق زندگی گزارنے پر اللہ کی نصرت و مدد کا وعدہ ہے:۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ
وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ
نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ
ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ
الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾
وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا
مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ
الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً
كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا
تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ

جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾
وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪
وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ
وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾ وَلَا
تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ
اُولٰٓىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ
تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ
رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوْحٰۤی اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

[سورہ اسراء: ۲۲۔۳۹]

''اور تمہارے پروردگار نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں، تو ان کو اف تک نہ کہو، اور نہ انہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا، اور عجز و نیاز سے ان کے ساتھ رہو، اور ان کے حق میں دعا کرو کہ اے پروردگار جیسا انہوں نے مجھے بچپن میں شفقت سے پرورش کیا ہے تو بھی ان کے حال پر رحمت فرما، جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تمہارا پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے، اگر تم نیک ہوگے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے، اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو، اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاو، کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی ناشکرا) ہے، اور اگر تم اپنے پروردگار کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو ان (مستحقین) کی طرف توجہ نہ کرسکو تو ان سے نرمی سے بات کہد یا کرو، اور اپنے ہاتھ کو نہ تو

گردن سے بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کرلو، (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ ہی بالکل کھول دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ) ملامت اور حسرت کے ساتھ بیٹھ رہنا پڑے، بیشک تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی روزی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے، اور ان کو دیکھ رہا ہے، اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا، کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں، کچھ شک نہیں کہ ان کا مارڈالنا بڑا سخت گناہ ہے، اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے، اور جس جاندار کا مارنا خدا نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرنا، مگر جائز طور پر (یعنی بہ فتویٰ شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہئے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے، وہ منصور اور فتحیاب ہے، اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا، مگر ایسے طریقے سے کہ بہت بہتر ہو، یہاں تک وہ جوانی کو پہونچ جائے، اور عہد کو پورا کرو، کہ عہد کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی، اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو، اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو، یہ بہت اچھی بات ہے، اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے، اور اے بندے جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب جوارح سے ضرور باز پرس ہوگی، اور زمین پر اکڑ کر اور تن کر مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا، اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں کی چوٹی تک پہنچ جائے گا، ان سب عادتوں کی برائی تیرے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے، اے پیغمبر یہ ان ہدایتوں میں سے ہے جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں، اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ ایسا کرنے سے ملامت زدہ اور درگاہ خدا سے راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دئے جاؤ گے۔"

اگر ان سب آداب کا خیال رکھا جائے تو مسلمان سماج میں ایک مثالی شخصیت بن

سکتا ہے۔ سیرت میں اس کی مثال ملتی ہے کہ مشرکین اور اسلام دشمن حضور صلی اللہ علیہ کے پاس امانتیں رکھتے تھے اور حجر اسود کی تنصیب پر جب اختلاف ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنانے پر سب متفق ہو گئے اور کہا: ''هذا الأمين رضينا به'' یہ تو امانت دار ہے، ہم اس سے راضی ہیں۔

اس دور کا سب سے بڑا مرض ''اَنا'' ہے یعنی اپنی ذات، اس کے بعد اپنا خاندان، اس کے بعد اپنی قوم، اس کی وجہ سے ساری دنیا میں کشمکش اور جھگڑے ہو رہے ہیں، قرآن کریم میں اس تقسیم کو ختم کیا گیا اور اس کو انتظامی قرار دیا گیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳ (سورہ حجرات: ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا ہے اور سب سے خبردار ہے۔''

مغربی نظام تعلیم و تربیت نے فرد کو سب اہمیت دے دی ہے، جبکہ اسلام پوری انسانیت کو مخاطب کرتا ہے اور اس کی اصلاح اور تعمیر پر زور دیتا ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف میں اس موضوع پر بہت زور دیا گیا ہے۔

مغربی تمدن نے سماج کے تصور کو ختم کر دیا ہے، وہاں اب نہ تو خاندان کا تصور ہے نہ معاشرہ کا، بلکہ صرف ذات، اس لیے وہاں معاشرہ کا تصور نہیں، والدین اور اولاد کے درمیان سب لحاظ ختم ہو گیا ہے، تو معاشرہ کا کیا ذکر؟، اسی طرح محبت، رحم، ہمدردی اور آپس میں تعاون کا تصور ختم ہو گیا ہے، اور ذاتی مفاد کو سب سے زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے، یہ رجحان اب مشرق میں وسائل ابلاغ، نظام تربیت اور سیاحت و سفر کے دوران آپس میں

اختلاط کے ذریعہ عام ہورہا ہے، یہ رجحان مذہب اور اخلاق کے خلاف تو ہے ہی؛ اسلام کی تعلیم کے بہت منافی ہے، اس ماحول میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ فرد کی زندگی کی اصلاح کے ساتھ سماج کی اصلاح کی بھی فکر کی جائے۔

اسلام کا مطالعہ کرکے اسلام قبول کرنے والوں نے اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی عملی زندگی میں تضاد کا شکوہ کیا ہے، انہوں اس بات سے اپنی حیرانی ظاہر کی کہ جب انہوں نے اسلام کو پڑھا تو اس کے نظام عدل سے اور اس کے قانون میں انسانیت کے احترام ووقار سے متاثر ہوئے، لیکن جب مسلمانوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے اور کسی اکثریت والے مسلم ملک میں رہنے کا موقع ملا تو کتابوں کے اسلام اور عملی زندگی کے اسلام میں بڑا فرق پایا۔

گویا کہ ہم آج ایسی باتوں کی دعوت دے رہے ہیں جن پر ہم خود اپنی عملی زندگی میں عمل نہیں کرتے، بلکہ ہماری عملی زندگی اور سلوک وکردار غیر مسلم سے مختلف نہیں، لہٰذا اسلام کی اشاعت وتعارف اور دعوت میں جو کوششیں کی جارہی ہیں وہ اس وقت تک ثمر آور نہیں ہوسکتیں جب تک ان کے ساتھ اسلام کو عملی طور پر زندگی میں برتنے کی کوشش نہ کی جائے۔

انسانی حقوق

حدیث اور سیرت نبوی کی روشنی میں

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شرافت انسانی اور احترام انسانیت کی بھرپور تلقین ملتی ہے، انسانوں بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ''خدا کی مخلوق خدا کا کنبہ ہے، اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے''۔

(رواہ البیہقی ،شعب الایمان طبرانی، حلیہ الاولیاء لابی نعیم)

احترام انسانیت

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا! اے ابن آدم! میں بیمار پڑا اگر تو نے میری عیادت نہیں کی؟ بندہ کہے گا: اے میرے رب! میں آپ کی عیادت کیسے کرتا، آپ تو رب العالمین تھے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا! میرا فلاں بندہ بیمار تھا مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو تم مجھے اس کے پاس پاتے، اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تم نے مجھے نہیں کھلایا! بندہ کہے گا اے میرے رب! میں آپ کو کیسے کھانا کھلاتا؟ آپ تو رب العالمین تھے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم نہیں جانتے کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا مگر تم نے اسے کھانا نہیں دیا، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر تم اسے کھلاتے تو تم مجھے اس کے پاس پالیتے، اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا تو نے

مجھے نہیں پلایا! بندہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے آپ کو پانی پلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟ اللہ فرمائے گا: تم سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا مگر تم نے اسے نہیں دیا، اگر تم اسے پانی پلاتے تو تم مجھے اس کے قریب پاتے''۔

(رواہ مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب فضل عیادۃ المریض، حدیث نمبر: ۲۵۶۹)

عصبیت کی ممانعت

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں تھے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو گھونسہ مار دیا، تو انصاری نے انصاریوں سے فریاد کی اور مہاجر نے مہاجرین کو پکارا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سن لیا اور فرمایا یہ کیا ہے؟ صحابہؓ نے کہا: ایک مہاجر نے ایک انصاری کو گھونسا مار دیا تو انصاری نے انصاریوں کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین سے فریاد کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، یہ بدبودار اور گندی چیز ہے''۔ (مسلم، حدیث نمبر: ۶۷۴۸)

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے لوگو! تمہارا رب ایک اور تمہارا مورث اعلیٰ بھی ایک ہے، سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت صرف تقویٰ ہی کی بنیاد پر دی جاسکتی ہے''۔

(مجمع الزوائد للھیثمی، ۳/۲۶۶، مسند امام احمد: ۵/۴۱۱، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال للھندی)

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی عصبیت اور آباء پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے، انسان یا تو مومن متقی ہے یا فاجر بدبخت، سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے ہیں، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر''۔ (رواہ الترمذی، ابوداود، امام احمد)

حالت جنگ میں قتل ناحق سے اجتناب اور حسن سلوک کی تلقین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو جہاد کے لیے روانہ کرتے تو اسے وصیت کرتے

کہ ''اللہ کا نام لے کر اور اس کے رسول کی برکت پر نکلو، دیکھو کسی بوڑھے، بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا، نہ خیانت کرنا اور نہ مال غنیمت میں چوری، اصلاح اور احسان کرنا اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(رواہ ابوداود، الفتح الکبیر: ۱/ ۲۸۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے کسی معاہد یا ذمی کو قتل کیا اسے جنت کی خوشبو نصیب نہیں ہوگی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے ہی آنے لگتی ہے''۔

(رواہ البخاری، کتاب الجزیۃ، حاشیہ سندھی: ۲/ ۲۰۲، فتح الباری: ۶/ ۳۱۶۶، و ترمذی: حدیث نمبر: ۱۴۰۳)

ایک حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بندہ اس وقت تک دین کی حفاظت اور نگہبانی میں رہتا ہے جب تک کسی ناحق خون کا مرتکب نہ ہو''۔

(صحیح الجامع الصغیر و زیاداتہ/ البانی: ۵۷۷۵)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سنو! جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا یا اس کا حق مارا، یا اس کی طاقت سے زیادہ کا اس کو مکلف بنایا، یا اس کی کوئی چیز اس کی رضامندی کے بغیر لے لی تو میں قیامت کے دن اس کے آڑے آجاؤں گا۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ظلم سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث ہوگا اور بخل سے بھی بچو، اس لیے کہ بخل نے تم سے پہلے کے لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا، اس طرح کہ بخل نے ان کو خونریزیاں کرنے پر آمادہ کیا اور محرمات کو حلال بنانے پر اکسایا۔ (رواہ مسلم، باب تحریم الظلم، حدیث نمبر: ۶۷۴۱)

حقوق کی ادائیگی کی ترغیب

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن تم سب حقدار کا حق ادا کرو گے یہاں تک کہ بے سینگ بکری کا حق سینگ والی بکری سے دلایا جائے گا۔ (رواہ مسلم: باب تحریم الظلم: ۶۷۴۵)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ شخص ہے جو اللہ کی ممنوعہ چیزوں سے اجتناب کرے''۔

(بخاری: باب من سلم المسلمون من لسانہ: حدیث نمبر: ۱۹۔ مسلم: باب تحریم الظلم: ۲۴۴۹)

رحمت بنو، زحمت نہ بنو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: آسانیاں پیدا کرو، سختی مت کرو، خوشخبری کے پیامبر بنو، متنفر کرنے والے مت بنو۔ (متفق علیہ)

دوسروں کی مدد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں کے حقوق کے متعلق اتنی تاکید کی کہ صحابہ کرامؓ نے یہ خیال کرلیا کہ ہمارے زائد مال میں ہمارا حق ہی نہیں ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک آدمی ایک سواری پر سوار ہو کر آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زائد کھانا ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس نہ ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے مال کا تذکرہ کیا حتی کہ ہم نے یہ خیال کرلیا کہ زائد مال میں ہمارا حق ہی نہیں ہے۔ (مسلم: ۱۷۲۸)

ظلم سے اجتناب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مظلوم کی دعا سے بھی آگاہ کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجتے وقت ان کو ہدایت دی کہ مظلوم کی دعا سے بچتے رہنا کیونکہ مظلوم کی دعا اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ (مسلم)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے حربی کے قتل کیے جانے پر اپنی شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا، جس نے تلوار کا وار دیکھتے ہی کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا، روایت کی جاتی ہے کہ

حضرت ابو درداءؓ نے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور قتل کرنے کے وقت اس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا، چنانچہ اس کا تذکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ اس نے بچنے کے لیے ایسا کیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟؟۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲؍۱۷۴، دار الحدیث، قاہرہ)

توحید کی جلوہ گری

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول توحید تھے اور اس کا دائرہ صرف عقیدہ ہی تک محدود نہیں، بلکہ یہ توحید زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اخلاق وسلوک اور لوگوں کے ساتھ برتاؤ میں بھی اس کی جلوہ گری نمایاں ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں آپ نے جو آخری خطبہ دیا اس میں یہ پہلو صاف صاف نظر آتا ہے، فرمایا:

> ''تم میں سے کسی ایک کی جان اور مال اور عزت دوسرے کے لیے اسی طرح قیامت تک قابل حرمت واحترام والی ہیں جس طرح آج کا یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر، ہر ایک کا مال، جو جاہلیت کے عہد میں جائز سمجھا جارہا تھا اب قیامت تک اس کو جائز سمجھا جانا ختم کیا جارہا ہے، سب سے پہلا خون جو ختم کیا جاتا ہے، وہ ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کا خون تھا، اس نے بنی لیث میں پرورش پائی تھی، اور ہذیل نے اس کو قتل کر دیا تھا، جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے اور سب سے پہلا سود جو ختم کیا جاتا ہے، وہ عباس بن عبد المطلب کا سود ہے، اور دیکھو! عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، کیونکہ وہ تمہارے زیر اثر ہیں، وہ اپنے معاملہ میں اختیار نہیں رکھتیں، لہذا ان کا تم پر حق ہے، اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے علاوہ تمہارے بستر پر کسی کو آنے نہ دیں اور نہ ایسے شخص کو تمہارے گھر آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اور اگر تم ان کی نافرمانی (غلط رویہ) سے خطرہ محسوس کرو تو انھیں نصیحت کرو، اور ان کی خوابگاہوں کو الگ کر دو، اور ہلکے طریقہ سے مارو اور دیکھو! انھیں کھانے کپڑے کا

حق پوری طرح حاصل ہے، تم نے انھیں خدا کی امانت کے طور پر اپنی رفاقت میں لیا ہے، اور ان سے جنسی تعلق کو اللہ کے نام سے اپنے لئے جائز کیا ہے، اور دیکھو! کسی کے پاس کسی کی امانت ہو تو وہ صاحبِ امانت کو واپس کرے، اور دیکھو میں اپنے بعد تمہارے لئے ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم گمراہ نہ ہو گے وہ چیز کیا ہے؟ وہ ہے کتاب اللہ (قرآنی دستور العمل) اور دیکھو تم سے خدا کے یہاں میری نسبت پوچھا جائے گا بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟ صحابہ نے عرض کیا ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہونچا دیا، اپنا فرض ادا کر دیا، اس جواب پر آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا "اے خدا تو گواہ رہنا"۔ (مسلم)

شرافت انسانی کا لحاظ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم کارنامہ انسان کی زندگی اور اس کی عزت وشرافت کو تحفظ فراہم کرنا ہے، بنائے کعبہ کے وقت حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے کے شرف کو حاصل کرنے کے سلسلہ میں ہونے والے جھگڑا کو جس خوبی سے حل کیا اس کی مثال نہیں ملتی، حالانکہ یہ جھگڑا ایک بڑے خون خرابہ کا پیش خیمہ بن سکتا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ نبوت سے قبل کعبہ کی مرمت کی ضرورت محسوس کی گئی، اس کی چھت نہیں تھی دیواریں بھی صرف قد آدم تھیں اور مکہ چونکہ نشیب میں ہے اس لئے سیلاب آنے پر سب خراب ہو جاتا تھا، لہٰذا قریش کو فکر ہوئی کہ اس کو ٹھیک کریں، اسی درمیان ان کو یہ واقعہ معلوم ہوا کہ جدہ میں ایک جہاز ٹوٹ کر بیکار ہو گیا ہے، قریش کے ایک سردار نے وہاں جا کر قریش کی طرف سے اس کی لکڑی کے تختے حاصل کئے اور ان کے ذریعہ کعبہ کی نئی تعمیر شروع کی اور چونکہ یہ مقدس عبادت گاہ کا کام تھا، اس لئے اس میں قریش کے سب خاندانوں کے نمائندے شریک ہوئے، آپ کی عمر اس وقت ۳۵ سال کی ہو چکی تھی، آپ بھی شریک ہوئے، آپ اپنے کاندھے پر پتھر رکھ کر لاتے اور جگہ تک پہونچاتے

تھے جس سے آپ کے شانے چھل بھی گئے، پھر جب حجر اسود کو اس کی مخصوص جگہ پر رکھنے کا وقت آیا تو قریش میں جھگڑا ہو گیا، کہ ہر ایک اس شرف کو حاصل کرنا چاہتا تھا، قریب تھا کہ اس پر آپس میں لڑائی کی نوبت آجائے۔

بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ اگلے دن صبح سویرے جو بیت اللہ شریف میں سب سے پہلے پہونچے اس سے اس سلسلہ میں فیصلہ کرایا جائے، اور وہ سب کو قبول ہو، اگلی صبح یہ خصوصیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی، آپ سب سے پہلے وہاں پہونچے تھے، آپ کو دیکھ کر سب خوش ہوئے، اور کہا کہ یہ تو ''الصادق الامین'' ہیں، یہ بالکل مناسب ہیں، چنانچہ آپ کے ذریعہ فیصلہ لیا گیا، آپ نے فیصلہ یہ دیا کہ حجر اسود کو ایک چادر میں رکھ کر سب مل کر اٹھائیں، ہر ایک اپنی طرف کا کنارہ پکڑے، چنانچہ سب نے چاروں طرف سے چادر پکڑ کر اٹھایا اور جب اس کی مقررہ جگہ تک پہونچا دیا تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ (سیرت ابن ہشام: ۱؍۱۹۲)

انسانوں کے باہمی جھگڑے اور فساد کو روکنے، شرافتِ انسانی اور انسانی حقوق کی پاسداری کی ایک اور مثال حلف الفضول کا واقعہ ہے۔

ایک مرتبہ قبیلۂ زبید کا ایک شخص مکہ سامان تجارت لے کر آیا، قریش کے ایک سردار اور معزز شخص ''عاص بن وائل'' کی طرف سے زیادتی ہوئی کہ انہوں نے اس سے سامان خرید لیا اور اس کا حق نہیں دیا، زبیدی نے سرداران قریش کی حمایت حاصل کرنا چاہی، لیکن عاص بن وائل کی حیثیت و وجاہت کی وجہ سے انہوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور اس کو سخت سست کہہ کر واپس کر دیا، تو قریش کے چند صاحب ہمت اور حق وانصاف کے حامی اشخاص نے حقداروں کو ان کا حق دلانے کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل کی، تو آپ بھی اس میں شریک ہوئے اور سب مل کر وائل کے پاس گئے اور زبیدی کا سامان واسباب ان سے زبردستی لے کر زبیدی کو واپس کیا۔

(الکامل فی التاریخ لابن الاثیر: ۲؍۴۱، وسیرت ابن کثیر: ۱؍۲۵۷)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس معاہدہ سے بہت خوش تھے، اور فرماتے تھے کہ:۔

اس جیسے معاہدہ میں اگر اس کے نام پر اسلام کے بعد بھی بلایا جائے تو میں اس کی تکمیل کے لیے تیار ہوں، اس لیے کہ اسلام تو سراپا عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا ہی نام ہے۔ (سیرت ابن کثیر:۱/۲۵۸)

انسانی حقوق کا منشور: میثاق مدینہ

انسانی حقوق کی پاسداری اور شرافت انسانی کی حفاظت کا بہترین نمونہ وہ معاہدہ ہے جو آپ نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کیا اور تاریخ وسیر میں ''میثاق مدینہ'' کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ معاہدہ اس وقت کیا گیا جبکہ مدینہ اوس وخزرج اور یہود کے درمیان میدان جنگ بنا ہوا تھا۔ آپ نے مدینہ میں پرامن اور انسانی بھائی چارہ، انسانی ہمدردی، مساوات اور انسانی غمخواری پر مشتمل معاشرہ قائم کیا، چنانچہ مدینہ میں آپ کی آمد امن وامان کا سبب بنی۔

ابن ہشام نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ آئے ہوئے ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ تقریباً مدینہ کے تمام عرب نے اسلام قبول کر لیا اور قبیلہ اوس کے چند افراد کو چھوڑ کر انصار کے خاندانوں کے تمام افراد مشرف بہ اسلام ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار کے درمیان ایک دستاویز لکھی جس میں آپ نے یہود سے ایک معاہدہ کیا۔ انہیں ان کے مذہب اور مقبوضات پر باقی رکھا اور ان کے لیے کچھ حقوق اور فرائض متعین کیے:۔

''۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم: یہ دستاویز معاہدہ محمد النبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہاجرین اور اہل یثرب کے مومنوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے، اور ان لوگوں سے بھی جو ان کے ساتھ آملیں، اتحاد کریں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

۲۔ وہ ایک امت واحدہ ہیں جو دوسرے لوگوں سے الگ ہیں۔

۳۔ مہاجرین قریش اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے دیت اور قیدیوں کا زر

فدیہ ادا کریں گے اور اہل ایمان کے معاملے میں انصاف اور راستی کا خیال رکھیں گے

۴۔ بنوعوف اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے اپنی پرانی دیت ادا کریں گے۔ ہر گروہ معروف طریقے سے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ دے گا اور اس ضمن میں اہل ایمان کے درمیان انصاف و راستی کا خیال رکھے گا۔

۵۔ بنوساعدہ اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے اپنی پرانی دیت ادا کریں گے، ان میں کا ہر گروہ معروف طریقہ سے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ ادا کرے گا اور اس ضمن میں اہل ایمان کے درمیان انصاف و راستی کا خیال رکھے گا۔

۶۔ خزرج کے بنوحارث اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے اپنی پرانی دیت ادا کریں گے، ان میں کا ہر گروہ معروف طریقے سے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ ادا کرے گا اور اس ضمن میں اہل ایمان کے درمیان انصاف و راستی کا خیال رکھے گا۔

۷۔ بنوجشم اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے اپنی پرانی دیت ادا کریں گے، ان میں کا ہر گروہ معروف طریقے سے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ ادا کرے گا اور اس ضمن میں اہل ایمان کے درمیان انصاف و راستی کا خیال رکھے گا۔

۸۔ بنونجار اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے اپنی پرانی دیت ادا کریں گے، ان میں کا ہر گروہ معروف طریقے سے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ ادا کرے گا اور اس ضمن میں اہل ایمان کے درمیان انصاف و راستی کا خیال رکھے گا۔

۹۔ بنوعمرو بن عوف اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے اپنی پرانی دیت ادا کریں گے، ان میں کا ہر گروہ معروف طریقے سے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ ادا کرے گا اور اس ضمن میں اہل ایمان کے درمیان انصاف و راستی کا خیال رکھے گا۔

۱۰۔ بنونبیت اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے اپنی پرانی دیت ادا کریں گے، ان میں کا ہر گروہ معروف طریقے سے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ ادا کرے گا اور اس ضمن میں اہل ایمان کے درمیان انصاف و راستی کا خیال رکھے گا۔

۱۱۔ بنواوس اپنے پرانے دستور کے مطابق اجتماعی طور سے اپنی پرانی دیت ادا کریں گے، ان میں ہر گروہ معروف طریقہ سے اپنے قیدیوں کا زرفدیہ ادا کرے گا اور اس ضمن میں اہل ایمان کے درمیان انصاف وراستی کا خیال رکھے گا۔

۱۲۔ اہل ایمان اپنے درمیان کسی مقروض کو بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے؛ بلکہ انصاف کے ساتھ اسکے زرفدیہ یا دیت کی ادائیگی میں اسکی مدد کریں گے اور کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولی کو بغیر اسکے (یعنی مولی کے آقا وسرپرست کی) اجازت کے اپنے حلیف کے طور پر قبول نہیں کرے گا۔

۱۳۔ متقی اہل ایمان ہر اس شخص کے خلاف ہیں جو غداری کرے، یا ظلم، گناہ جارحیت یا اہل ایمان کے درمیان فساد وانتشار پھیلانے کا کام کرے، انکے ہاتھ اس شخص کے خلاف متحدہ طور سے اٹھیں گے خواہ وہ ان ہی میں سے کسی کا فرزند کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ ایک مومن کسی دوسرے مومن کو کسی کافر کے لیے قتل کرے گا نہ کسی مومن کے خلاف کسی کافر کی مدد کرے گا۔

۱۵۔ خدا کا ذمہ (تحفظ) ایک ہے، ان میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) کسی ادنی کی بھی ضمانت سب پر واجب ہے تمام مومنین ایک دوسرے کی دوستی اور تعاون کے زیادہ حق دار ہیں بہ نسبت دوسرے لوگوں کے۔

۱۶۔ یہود میں سے جو بھی ہماری اتباع کرے گا، اس کے لئے یکساں مدد اور تعاون ہے جب تک وہ مخالفانہ طرز عمل اختیار نہیں کرے گا اور ان کے (یعنی مسلمانوں کے) خلاف دوسرے کی مدد نہیں کرتا۔

۱۷۔ اہل ایمان کی امان بھی ایک ہے جنگی حالات میں ایک مومن دوسرے مومن سے الگ صلح نہیں کرے گا، الا یہ کہ وہ مصالحت سب کے علم اور مرضی سے ہو۔

۱۸۔ ہماری ہر مہم میں ہر گروہ باری باری سے کام کرے گا۔

۱۹۔ کسی مومن کا راہ خدا میں جانی ومالی نقصان ہونے کی صورت میں تمام مومنین مل کر

اس کو برداشت کریں گے۔

۲۰۔ متقی اہل ایمان بہترین اور سیدھی راہ پر ہیں۔کوئی مشرک قریش کے کسی شخص یا سامان کو پناہ نہیں دے گا اور نہ اس کی حمایت میں کسی مومن کے خلاف مداخلت کرے گا۔

۲۱۔ اگر کوئی کسی مومن کو ناحق قتل کر دے اور اس کا کھلا ہوا ثبوت ہو تو اس کو قصاص میں قتل کیا جائے الا یہ کہ مقتول کا ولی مطمئن اور راضی ہو جائے۔تمام مومنین اس قاتل کے خلاف ہوں گے اس کی مخالفت کے سوا ان کے لئے اور کچھ جائز نہ ہوگا۔

۲۲۔ کسی مومن کے لئے جس نے اس صحیفہ (دستاویز معاہدہ) کے مشتملات کا اقرار کیا ہو اور وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، جائز نہیں کہ وہ کسی فسادی اور غلط کار شخص کی مدد کرے اور اس کو پناہ دے، اگر کسی ایسے شخص کی مدد کی یا اسے پناہ دی تو اس پر قیامت کے دن اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہوگا جس سے وہ بچ نہ سکے گا۔

۲۳۔ جس چیز کے بارے میں بھی تم لوگوں کا اختلاف ہوگا اسے اللہ عزوجل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا ہوگا۔

۲۴۔ یہودی اور مومنین دونوں جنگ کے اخراجات برداشت کریں گے جب تک وہ جاری رہے

۲۵۔ بنو عوف کے یہودی اہل ایمان کے ساتھ ساتھ ایک امت ہیں۔یہود کے لیے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین، یہی ضمانت ان کے موالی اور ان کے اپنے لیے ہے، مگر جو شخص ظلم کرے یا گناہ کا کوئی کام کرے وہ صرف اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لئے مصیبت پیدا کرتا ہے۔

۲۶۔ بنو نجار کے یہود کے لئے بھی وہی احکام و مراعات ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں۔

۲۷۔ بنو حارث کے یہود کے لئے بھی وہی احکام و مراعات ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں۔

۲۸۔ بنو ساعدہ کے یہود کے لئے بھی وہی احکام و مراعات ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں۔

۲۹۔ بنو جشم کے یہود کے لئے بھی وہی احکام و مراعات ہیں جو یہود بنی عوف کے لئے ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ آپ کا معاملہ

دشمن اور وہ لوگ جو آپ کے قتل کے درپے تھے، ان کے ساتھ بھی آپ نے عفو ودرگزر کا معاملہ کیا اور غلبہ حاصل ہوجانے پر بھی انتقام اور خونریزی سے آپ نے بالکل اجتناب کیا، فتح کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمومی معافی کا اعلان فرمایا، یہاں تک ان دشمنوں کو بھی معاف کیا جنہوں نے آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے اور آپ کو ہر طرح ستایا یہاں تک کہ آپ مدینہ ہجرت کر گئے اور وہاں بھی چین سے رہنے نہ دیا، فتح مکہ کے دن آپ نے یہ اعلان کیا:

اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے جواب دیا: ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ اکریم النفس اور شریف بھائی ہیں، اور کریم وشریف بھائی کے بیٹے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: میں تم سے وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا: ''لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فأنتم الطلقاء'' آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

عقبہ بن عامر بیان کرتے ہیں کہ:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا تو آپ نے فرمایا: اے عقبہ جو تم سے تعلق توڑے تم اس سے تعلق جوڑو، جو تم کو محروم کرے تم اس کو نوازو اور جو تم کو ستائے اس کو معاف کردو۔ (احمد: ۱۷۴۸۸)

حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

چند یہودی آپ کے پاس آئے اور کہا: السام علیکم (تمہارا برا ہو) تو میں سمجھ گئی اور فوراً میں نے کہا: تمہارا برا ہو اور تم پر لعنت ہو۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: عائشہ ٹھہرو، اللہ تعالیٰ ہر چیز میں نرمی پسند کرتا ہے، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول: کیا آپ نے سنا نہیں کہ انہوں نے کیا کہا؟ رسول اللہ نے فرمایا: میں نے جواب میں ''علیکم'' کہہ دیا ہے کہ تم پر ہو۔

(بخاری، کتاب الأدب ۵۶۷۸، مسلم: کتاب السلام، ۲۱۶۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی بن ابی طالب کو خیبر کی مہم پر روانہ کیا تو ان کو وصیت کی کہ:

آرام سے نکلو یہاں تک کہ ان کے علاقہ میں پہنچ کر قیام کرو، پھر ان کو اسلام کی دعوت دینا اور اسلام لانے کے بعد اللہ کا جو حق ان پر واجب ہو رہا ہے، اس سے واقف کرانا، اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے ذریعہ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدی تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بدرجہا بہتر ہوگا۔

(بخاری: باب فضل من اسلم علی یدیہ، ۲۸۴۷)

قیدیوں کے ساتھ سلوک

قیدیوں کے ساتھ آپ کا سلوک رحمت وشفقت، دور اندیشی، عدل وانصاف اور دعوتی مقاصد پر مبنی تھا، اسی وجہ سے آپ نے قیدیوں کے ساتھ معافی اور شفقت کے متعدد طریقے اختیار کیے، کسی موقع پر قیدیوں سے زرفدیہ قبول کیا، کسی کو بغیر زرفدیہ کے چھوڑ دیا، کسی کو اس شرط پر چھوڑ دیا کہ وہ مسلمانوں کے دس بچوں کو تعلیم دے، اور بعض قیدیوں کو مسلم قیدیوں کے عوض رہا کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ بدر سے مدینہ واپس آئے، قیدیوں کو صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا اور ان کو تلقین کی کہ ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(طبرانی فی الکبیر: ۹۷۷۔ وفی الصغیر: ۴۰۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''استوصوا بہم خیراً'' ان سے اچھا معاملہ کرنا، ابوعزیز راوی ہیں کہ جب وہ مجھے بدر سے قیدی بنا کر لائے تو مجھے انصار کے ایک قبیلہ میں جگہ ملی، وہ دونوں وقت اپنے کھانوں میں سے روٹی تو مجھے دیتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے، یہ رسول اللہ کی اسی وصیت وہدایت کا اثر تھا۔ (طبرانی فی الصغیر: ۴۰۱)

ابو عاص بن ابی الربیع کہتے ہیں:۔

میں انصار کے ایک قبیلہ میں تھا، اللہ ان کو اچھا بدلہ عطا کرے، جب ہم شام یا دوپہر کا کھانا کھاتے، تو روٹی مجھے کھلاتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے، حالانکہ روٹی ان کے پاس بہت کم ہوتی، کسی کو کہیں سے ایک روٹی کا ٹکڑا بھی مل جاتا تو مجھے لا کر دیتا، مجھے شرم محسوس ہوتی اور میں اسے لوٹا دیتا، لیکن وہ زبردستی مجھے دیتا اور خود اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا، ولید بن ولید بن مغیرہ کا بھی اسی طرح کا تاثر ہے، وہ مزید کہتے ہیں:

''وہ ہمیں اپنی پیٹھوں پر بٹھا کر چلتے''۔ (مغازی للواقدی:۱/۱۱۹)

بوڑھوں کے ساتھ سلوک

ایک دن ایک سن رسیدہ شخص آپ کے پاس آیا اور لوگوں نے اس کے لیے جگہ دینے میں تاخیر کی، تو آپ پر اس کا اثر پڑا اور فرمایا:۔

وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے۔

(ترمذی:۹۱۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

اللہ کی تعظیم میں بوڑھے مسلمان کا احترام واکرام ہے۔ (ابوداود)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

جو کوئی نوجوان کسی بوڑھے کا اس کی درازی عمر کی بنا پر اکرام کرتا ہے، تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ بڑھاپے میں اس کے اکرام کا انتظام فرمادیتا ہے۔

(ترمذی:۲۰۲۳)

بچوں کے ساتھ سلوک

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نماز شروع کرتا ہوں اور دل چاہتا ہے کہ طویل نماز پڑھوں، کہ کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اس خیال سے

نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو دشواری اور تکلیف نہ ہو۔

(بخاری: کتاب الصلاۃ، باب من اخف الصلاۃ: ٦٧٧)

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیمؓ کے یہاں جایا کرتے تھے، ابوطلحہ سے ان کا ایک بیٹا ابوعمیر تھا جس سے آپ مذاق کرتے تھے، چنانچہ ایک دن آپ نے دیکھا کہ وہ غمزدہ ہے، آپ نے پوچھا:۔

اے ابوعمیر کیا ہوا، میں تم کو غمزدہ دیکھ رہا ہوں، لوگوں نے جواب دیا کہ ان کی ایک چھوٹی چڑیا مرگئی ہے جس سے یہ کھیلتے تھے، آپ نے فرمایا: ابوعمیر، نُغَیر کا کیا ہوا؟"۔ (بخاری: باب الکنیۃ للصبی، ۵۸۵۰)

ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرا دل بہت سخت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے اور تمہاری ضرورت پوری ہو جائے؟ تو یتیم پر رحم کرو اور اس کے ساتھ شفقت وملاطفت کا معاملہ کرو، اپنے کھانے میں سے اس کو کھلاؤ، تمہارا دل نرم پڑ جائے گا اور تمہاری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ (طبرانی، ملاحظہ کریں: ترغیب وترہیب: ٦٧٦/٢)

عورتوں کے ساتھ سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی ہمیشہ تاکید کرتے ہوئے کہتے تھے کہ:

"عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرو"۔

(بخاری، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء، ۴۸۹۰، ومسلم: باب الوصیۃ بالنساء، ۱۴٦۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ

عورتوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو، اس لیے کہ وہ تمہارے ماتحت ہیں"۔

(ترمذی: ۱۱٦۳، ابن ماجہ: ۱۸۵۱، امام احمد: ۴۱۷۷)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''عورتیں مردوں کے برابر ہیں''۔

(ابوداود:۱/ ۵۴، ترمذی:۱/ ۳۶۸، دارمی:۱/ ۲۰۷، امام احمد:۶/ ۲۵۶۔۲۷۷)

امام ترمذی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے اچھا معاملہ کرے، اور میں تم میں سب سے بہتر ہوں اس لیے کہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے اچھا معاملہ کرتا ہوں''۔ (ترمذی:۳۸۹۵، ابن ماجہ:۱۹۷۷)

حضرت ابوھریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:۔

بوڑھیوں اور مسکینوں پر کوشش کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے، یا تہجد گزار اور روزہ دار کے مثل ہے''۔

(بخاری، کتاب النفقات، باب النفقۃ علی الأہل:۵۰۲۸، مسلم، کتاب الزھد والرقاق:۲۹۸۲)

خادموں کے ساتھ سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

تمہارے خدام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمہاری ماتحتی میں دیا ہے، چنانچہ جس کا بھائی اس کی ماتحتی میں ہو تو اسے چاہئے کہ اس کو وہ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے، اور وہ پہنائے جو وہ پہنتا ہے، ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ دب جائیں، اور اگر ان پر کوئی بوجھ ڈالو تو ان کی مدد کرو''۔ (بخاری، کتاب الایمان)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی خادم کو، البتہ اللہ کے راستہ میں جہاد کر رہے ہوں۔''

(مسلم، کتاب الفضائل، ۲۳۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق والے تھے، ایک دن مجھے کسی کام سے بھیجا، میں نے کہا کہ میں نہیں جاؤں گا، لیکن دل میں یہی تھا کہ اللہ کے نبی نے جس چیز کا حکم دیا ہے میں اس کو انجام دینے جاؤں گا، چنانچہ میں وہاں سے نکل کر اپنی منزل کی طرف چل دیا، بازار میں بچے کھیل رہے تھے میں بھی کھیلنے لگا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے سے میری گدی پکڑے ہوئے ہیں اور مسکراتے ہوئے کہہ رہے ہیں: اے انیس! تم کو جس کام کے لیے بھیجا تھا اس کے لیے جا رہے ہو، میں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول میں جا رہا ہوں، حضرت انسؓ ہی کا بیان ہے کہ میں نے آپ کی سات سال یا نو سال خدمت کی، آپ نے کبھی ہوں بھی نہیں کہا اور نہ یہ فرمایا کہ فلاں کام تم نے کیوں کیا، اور فلاں کام تم نے کیوں نہیں کیا"۔

(مسلم، کتاب الفضائل: ٢٣١٠، ابوداود: ٤٧٧٣)

فقراء اور محتاجوں کے ساتھ سلوک

فقراء، مساکین اور محتاجوں کا آپ پورا پورا خیال رکھتے تھے، کوئی مسکین اور محتاج آپ کے در سے خالی ہاتھ واپس نہیں ہوا، جو کچھ میسر ہوتا اس کو دے دیتے، اپنے رفقاء اور امت کو محتاجوں کے ساتھ رحمت وشفقت اور ہمدردی کا حکم دیا، فرمایا:۔

اے ابن آدم! ضروریات سے زائد سامان کو دوسرے پر خرچ کر دینا تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کو روک لینا برا ہے، بقدر ضرورت پر کوئی ملامت نہیں، زیر کفالت لوگوں سے خرچ کی ابتداء کرو، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے" یعنی دینا لینے سے بہتر ہے۔ (مسلم، کتاب الزکاۃ، ١٠٣٦، ترمذی: ٢٣٤٣)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:۔

مجھے یہ گوارہ نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور تین دن گزر جائیں اور اس میں ایک دینار بھی میرے پاس باقی رہے سوائے اس کے کہ کسی دینی کام

کے لیے میں اس میں سے کچھ بچا رکھوں، ورنہ اللہ کے بندوں میں میں اس کو اِس طرح اور اُس طرح دائیں بائیں اور پیچھے لٹا دوں"۔ (متفق علیہ)

پریشان حال لوگوں کے ساتھ سلوک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازوں کے پیچھے چلنا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا"۔ (بخاری، کتاب الجنائز: ۱۱۸۳، مسلم فی السلام،: ۲۱۶۲)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

جب حضرت جعفر کی شہادت کی خبر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ یہ لوگ غم سے دوچار ہیں"۔ (ابوداود: ۳۱۳۲، ابن ماجہ: ۱۶۱۰، امام احمد: ۱۷۵۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق (اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون) کہتا ہے کہ ہم اللہ کے ہی ہیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، اے اللہ مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور اس سے بہتر اس کا بدل عطا فرما تو اللہ تعالی اس کو اس سے بہتر بدل عطا فرما دیتا ہے" (مسلم، کتاب الجنائز: ۹۱۸، ابوداود: ۳۱۱۹)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص نے باغ خریدا اور اس کو نقصان ہو گیا اور اس کے نتیجہ میں مقروض ہو گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اس پر صدقہ کرو، تو لوگوں نے صدقہ کیا، لیکن وہ اس کے قرض کی ادائیگی کے لیے کافی نہیں ہوا، تو آپ نے قرض خواہوں سے کہا: جتنا ہے وہ لے لو اور اب یہی

تمہارے لیے کافی ہے" (مسلم، کتاب المساقاۃ، ۱۵۵۶، ترمذی: ۶۵۵)

ناسمجھ لوگوں کے ساتھ شفقت و رحمت

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، لوگ یہ دیکھ کر اس پر دوڑ پڑے اور سخت سست کہنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو، یہاں تک وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا، تو آپ نے اس کو اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ مساجد بول و براز کے لیے نہیں ہیں، یہ تو ذکر و تلاوت اور نماز کے لیے ہیں، اس کے بعد ایک شخص کو حکم دیا کہ اس جگہ پر ایک ڈول پانی بہادو"

(بخاری، کتاب الوضوء، ۲۱۷، مسلم: کتاب الطہارۃ، ۲۸۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ اس وقت نجران کی چادر زیب تن کئے ہوئے تھے، جس کے کنارے موٹے تھے، راستہ میں ایک اعرابی آپ سے ملا، اور آپ کی چادر مبارک پکڑ کر زور سے کھینچی، میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ آپ کی گردن پر اس کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں، پھر اس اعرابی نے کہا: یا محمد! اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے وہ مجھے دینے کا حکم دیجئے، آپ نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور ہنسے پھر ہدایت کی کہ اس کو دیا جائے۔ (بخاری: کتاب الجہاد، امام احمد: ۳/ ۱۵۳)

زید بن سعنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور قرض کا مطالبہ کیا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے لے لیا تھا، پھر اس کے بعد اس نے کپڑا پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ مبارک سے زور سے کھینچا، اور اپنی مٹھی میں کپڑے کو لے لیا، اور سخت الفاظ میں بات کی، پھر کہا: تم عبد المطلب کی اولاد! بڑے ٹال مٹول کرنے والے ہو، حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑکا، اور سخت لہجہ میں

بات کی، لیکن رسول اللہ ﷺ کا رویہ مسکراہٹ کا رہا، آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا:۔

عمر ہم اور یہ شخص تمہاری طرف سے دوسرے رویہ کے مستحق تھے، مجھے تم قرض جلد ادا کرنے کا مشورہ دیتے اور اس کو نرم طریقہ سے تقاضہ کرنے کو کہتے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی مدت ادائیگی میں ابھی تین دن باقی ہیں، بہر حال آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو اس کے قرض کی ادائیگی کا حکم دیا، اور بیس صاع اس کو مزید دینے کو فرمایا کہ یہ اس کا معاوضہ ہے جو حضرت عمرؓ نے اس کو خوفزدہ کر دیا تھا، اور پھر یہی باتیں اس کے اسلام لانے کا باعث بن گئیں۔

(بیہقی، واحمد: ۳ر ۱۵۳)

امت کے ساتھ رحمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا:

دین آسان ہے، اور جو بھی دین کے معاملہ تشدد اور سختی کرتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے، لہٰذا میانہ روی اختیار کرو اور قوت کے مطابق عمل کرو، بشارت حاصل کرو اور صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ میں (بذریعہ نوافل اللہ) سے مدد مانگو۔ (بخاری، کتاب العلم، مسلم کتاب الجہاد والسیر ۱۷۳۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ:۔

اپنے بھائی کے لیے مسکرانا صدقہ ہے، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے، راہ بھٹکے ہوئے انسان کی رہنمائی کرنا صدقہ ہے، نابینا کو راستہ دکھانا صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی وغیرہ تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا صدقہ ہے، اور اپنے بھائی کی بالٹی بھر دینا صدقہ ہے (ترمذی: باب صنائع المعروف: ۱۹۵۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا:

اگر کوئی مسلمان درخت لگاتا ہے تو جو کچھ اس درخت سے کھایا جاتا ہے وہ بونے والے کی طرف سے صدقہ ہے، اور جو اس سے چوری کی جائے وہ بھی

صدقہ ہے اور جو کوئی اس میں کمی کرتا ہے وہ بھی اس کے لئے صدقہ ہے۔

(مسلم: باب فضل الغرس والزرع: ۱۵۵۲)

انسانی جان کا احترام

قیس بن سعد عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

سہیل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ کے میدان میں بیٹھے تھے، اسی دوران وہاں سے ایک جنازہ گزرا، تو وہ دونوں اس کے احترام میں کھڑے ہو گئے، اس پر لوگوں نے پوچھا: آپ دونوں کیوں کھڑے ہوئے، یہ تو ایک ذمی کا جنازہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے، آپ سے کہا گیا کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے، اس پر آپ نے فرمایا: کیا یہ انسانی جان نہیں ہے؟"۔

(مسلم: کتاب الجنائز، باب القیام للجنائز: ۹۶۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ دو شخص آپس میں گفتگو کر رہے ہیں، ایک اپنے دوسرے ساتھی سے کہہ رہا کہ اس کو دیکھو، اللہ نے اس کی ستر پوشی کی، لیکن اس کے نفس نے اس کو پھنسا دیا کہ کتے کی طرح اس کو سنگسار کیا گیا، آپ خاموش رہے، پھر کچھ دیر چلتے رہے یہاں تک ایک گدھے کی سڑی لاش کے پاس گزرے تو فرمایا: فلاں فلاں کہاں ہیں، ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ہم حاضر ہیں، آپ نے کہا: اس (سڑی لاش) میں اترو اور اس سے کھاؤ، ان دونوں نے کہا: اے اللہ کے رسول اس میں سے کوئی کیسے کھا سکتا ہے؟ آپ نے کہا: ابھی تم دونوں نے اپنے بھائی کی جو غیبت کی ہے وہ اس کے کھانے سے زیادہ سخت ہے، اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، وہ اس وقت جنت کے چشموں میں غوطہ لگا رہا ہے۔

(ابوداود، باب رجم ماعز بن مالک، ۴۴۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:۔

میری مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے آگ روشن کی، جب آگ نے اس کے اردگرد کو روشن کر دیا، تو پروانے اور اس جگہ رہنے والے کیڑے مکوڑے اس میں گرنے لگتے ہیں، وہ ان کو آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ اس میں ٹوٹے پڑتے ہیں، یہی مثال میری اور تمہاری ہے، میں تم لوگوں کو آگ سے پکڑ پکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم ہو کہ اسی میں گرنے پر تلے ہو۔

(بخاری: کتاب الرقاق، ۶۱۱۸، مسلم: کتاب الفضائل، ۲۲۸۴)

غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس شخص نے ایک بالشت کے مقدار زمین میں ظلم کیا یعنی ناحق قبضہ کیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے سات زمینوں کا طوق پہنائیں گے۔

(بخاری: کتاب المظالم، ۲۳۲۱، مسلم: ۱۶۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جس نے کسی جھگڑے میں ناحق مدد کی یا کسی ظلم کا ساتھ دیا تو وہ اخیر تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں رہتا ہے۔ (ابن ماجہ: ۲۳۲۰، ابوداود: ۳۵۹۸)

جانوروں کے ساتھ نرمی

حضور ﷺ بے زبان جانوروں کے ساتھ نرمی کا حکم فرماتے تھے، شداد بن اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور نرم برتاؤ کرنے کا حکم

دیا ہے، اس لئے اگر قتل بھی کرو تو اچھی طرح کرو، ذبح کرو تو اچھی طرح کرو، تم میں جو ذبح کرنا چاہے وہ اپنی چھری پہلے تیار کرے، اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے۔ (مسلم: باب الامر باحسن الذبح، ۱۹۵۵)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

ایک شخص نے ایک بکری زمین میں ذبح کرنے کے لئے لٹائی، اس کے بعد چھری تیز کرنا شروع کیا، رسول اللہ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کیا تم اس کو دوبار مارنا چاہتے ہو؟ اس کو لٹانے سے پہلے تم نے چھری تیز کیوں نہ کر لی؟ (طبرانی وحاکم)۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

ہم لوگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ضرورت کے لیے وہاں سے تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے گئے، اس درمیان ہم نے ایک چھوٹی چڑیا دیکھی، اس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے، ہم نے دونوں بچے پکڑ لیے، وہ یہ دیکھ کر اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور پوچھا: کس نے اس کے بچے چھین کر اس کو تکلیف پہونچائی ہے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے بچے واپس کردو، یہاں ہم نے چیونٹیوں کی ایک آبادی دیکھی، اور اس کو جلا دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو کس نے جلایا ہے؟ عرض کیا ہم لوگوں نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ے فرمایا: آگ سے عذاب دینے کا حق صرف آگ کے رب کو ہے۔

(ابوداود: کتاب الجہاد، باب کراھیۃ حرق العدو بالنار)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جانوروں کو چارہ پانی دینے کی ہدایت فرمائی، اور ان کو پریشان کرنے اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنے کی ممانعت کی، اور جانوروں کی تکلیف دور کرنے اور ان کو آرام پہونچانے کو باعث اجر وثواب اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ قرار دیا، اور اس کے فضائل بیان فرمائے، حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ:

ایک شخص کہیں کے سفر پر تھا، راستہ میں اس کو سخت پیاس لگی، سامنے ایک کنواں نظر آیا، وہ اس میں اتر گیا، جب باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی شدت کی وجہ سے کیچڑ چاٹ رہا ہے، اس نے اپنے دل میں کہا کہ پیاس سے جو میرا حال ہو رہا تھا، یہی اس کا بھی ہے، وہ پھر کنویں میں اترا، اپنے چمڑے کے موزے پانی سے بھرے، پھر ان کو اپنے دانتوں سے دبایا اور اوپر آ کر کتے کو پلایا، اللہ تعالی نے اس کے اس عمل کو قبول فرمایا، اور اس کی مغفرت فرمادی، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بہائم اور جانوروں کے معاملہ میں بھی اجر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر اس مخلوق میں جو تر و تازہ جگر رکھتی ہے، اجر ہے۔

(بخاری: کتاب المساقاۃ، باب سقی الماء)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا:

ایک عورت کو صرف اس بات پر عذاب دیا گیا کہ اس نے اپنی بلی کو کھانا پانی نہیں دیا، اور نہ اس کو چھوڑا کہ وہ کیڑے مکوڑوں ہی سے اپنا پیٹ بھر لے۔ (مسلم)

سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

حضور ﷺ کا گذر ایک ایسے اونٹ کے پاس سے ہوا جس کا پیٹ لاغری (کمزوری) کی وجہ سے اس کی پیٹھ سے لگ گیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو، ان پر سواری کرو تو اچھی طرح، ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت استعمال کرو تو اس حالت میں کہ وہ اچھی حالت میں ہوں۔ (ابوداود، باب مایؤمر بہ من القیام علی الدواب)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کسی سرسبز جگہ جاؤ تو اونٹوں کو زمین پر ان کے حق سے محروم نہ کرو، اور اگر خشک زمین پر جاؤ تو وہاں تیز چلو، رات کو پڑاؤ ڈالنا ہو تو راستہ پر نہ ڈالو، اس لیے کہ وہاں جانوروں کی آمد و رفت رہتی ہے، اور کیڑے مکوڑے وہاں پناہ لیتے ہیں۔ (مسلم: باب مراعاۃ مصلحۃ الدواب)

سیرت نبویؐ کی جامعیت

رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم بشارت دینے والے، ڈرانے والے، اللہ کی طرف بلانے والے اور ایک انسان تھے، اس لحاظ سے آپ کی حیات طیبہ انسانی سیرت و کردار کے تمام پہلوؤں، داعی اور رسول کے تمام اوصاف اور تقاضوں کی جامع ہے، آج ضرورت اس بات کی ہے سیرت کے ان تمام پہلوؤں کو پیش کیا جائے، خصوصاً عفو در گزر، رحمت و مودت، شفقت و ملاطفت، رحم دلی و دلداری اور غلبہ و جنگ کی حالت میں بھی شرافت انسانی کی حفاظت کے پہلوؤں کو سامنے لایا جائے، اور یہ پہلو سیرت نبوی میں جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں۔

اسی جامعیت کی وجہ سے قرآن کریم نے آپ کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے، اور اسوہ وہ ہے جو قابل اقتدا و عمل ہو۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا ۝۲۱ (سورہ احزاب:۲۱) رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو یاد کرتا ہو، چنانچہ رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے تمام پہلوؤں میں آئیڈیل ہیں دعوت، تعلیم، تربیت، سیاست، معیشت، معاملات اور اخلاق سب میں نمونہ ہیں، ہر انسان کے لیے نمونہ ہیں، سیرت نبوی کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ رحمت و شفقت آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف ہے۔

سنت رسول اور تعلیمات نبوی کے مطابق زندگی گزارنے والے مسلمان کی زندگی کے جائزہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طہارت و پاکیزگی، نیکی و بھلائی، حسن اخلاق، لوگوں کے ساتھ معاملات، بیوی، بچوں اور والدین کے ساتھ سلوک میں غیروں سے ممتاز ہوتا ہے، اس لیے کہ اسے ہر حالت خوشی و غم، پریشانی و خوشحالی، جنگ و مصالحت، خوف و امن، خیر و شر، احسان و بدسلوکی حتی کہ انتقام کی حالت میں عند اللہ جواب دہی کا احساس رہتا ہے، اور یہی احساس اسے ہر طرح کی برائی اور ظلم و زیادتی سے باز رکھتا ہے، قرآنی اور نبوی تعلیمات میں جگہ جگہ یہ احساس پیدا کرنے کی تاکید نظر آتی ہے۔

یہ تعلیمات صرف تعلیمات ہی نہیں ہیں، بلکہ مسلمانوں کے عہد غلبہ میں جلوہ گر رہی ہیں، مسلمانوں نے کبھی کبھی انسانوں کے درمیان تہذیب، مذہب، طبقہ، رنگ و نسل، قوم وطن، امیری وغریبی اور سیاست ومعیشت کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں کی، مذہب اسلام میں سارے انسان کنگھی کے دانوں کی طرح برابر ہیں۔

صحابہ کرام پر آپ کے اثرات

صحابہ کرام نے اسوہ نبوی کو عملی طور پر برت کر دکھایا ہے اور تعلیمات نبوی کی سچی تصویر پیش کی ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> اے لوگو! مجھے تمہارا ذمہ دار بنایا گیا ہے، حالانکہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں، چنانچہ اگر تم مجھے حق پر دیکھنا تو میرا ساتھ دینا اور اگر غلط طریقہ پر دیکھنا تو میری اصلاح کرنا، جب تک میں اللہ کے حکم کی تابعداری کروں تو میری بات ماننا اور جب اس کی نافرمانی کروں، تو تم میری اطاعت نہ کرنا، سن لو! تمہارا سب سے طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک میں اس سے حق لے لوں، اور تمہارا کمزور میرے نزدیک سب سے طاقتور ہے یہاں تک اس کو حق دلا دوں"۔ (عیون الاخبار ابن قتیبہ، ۲/۲۳۴)

جب اسامہ بن زید کے لشکر کو روانہ کیا گیا تو اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوجیوں کو وصیت کی کہ

> اے لوگو! ٹھہرو، تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں ان کو محفوظ کرلو: خیانت نہ کرنا، مال غنیمت میں چوری نہ کرنا، مقتول کے ناک کان نہ کاٹنا، بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، نہ کھجور کے درخت کو کاٹنا اور نہ اس کو جلانا اور نہ پھلدار درخت کو کاٹنا، سوائے کھانہ کے کسی بکری، گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا، تمہارا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوگا جنہوں نے اپنے کو عبادت کے لیے فارغ کرلیا ہے، تو ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، اسی طرح راستہ میں تمہارا گزر ایسے لوگوں سے بھی ہوگا، جو تم کو برتنوں میں انواع واقسام کا کھانہ پیش کریں گے، اگر

اس میں سے کچھ کھانہ تو اللہ کا نام لے کر کھانہ۔ (تاریخ طبری: ۴/ ۲۲۷)

مسلم حکمرانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ معاملہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا طریقہ کار بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کسی ظالم کو نہیں چھوڑوں گا کہ وہ کسی پر ظلم کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا ایک رخسار زمین پر رکھوں گا اور دوسرے پر میرا پیر ہوگا تا آنکہ وہ حق کا اقرار کر لے"۔ (کتاب الخراج/امام ابو یوسف، ص: ۱۲۷)

مسلم حکمرانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ ہمیشہ مذہبی رواداری کا معاملہ کیا، تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، قدس کی فتح کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل قدس کو جو امان لکھی وہ اس مذہبی رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ وہ امان یہ ہے:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب تندرست اور بیمار اور ان کے تمام مذاہب والوں کے لیے ہے، اس طرح ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، نہ ان میں کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں، ایلیا والوں پر یہ فرض ہے کہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں اور چوروں کو نکال دیں، ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کی امن ہے، تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا ہی میں رہنا اختیار کرلے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا اور ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک وہ اپنی جائے پناہ پہنچ جائے اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر اللہ کا، رسول کا، خلفاء کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ

جزیہ ادا کرتے رہیں" (تاریخ طبری: ۳/۶۰۹)

اسلامی تعلیمات مظلوم کی مدد کی تلقین کرتی ہیں، خواہ وہ مسلمان ہو یا کوئی اور، اور یہی امت اسلامیہ کا انسانی تصور ہے کہ بغیر کسی ادنی تفریق کے انسان کی مدد کی جائے، اس کے جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے اور ہر حال میں شرافت انسانی کا خیال رکھا جائے، اسلام دین عدل ہے، اور انسانیت کا پاسبان اور نجات دہندہ ہے، صحابی جلیل حضرت ربعی بن عامر نے ایرانی کمانڈر رستم کے دربار میں جو تاریخی جملہ کہا تھا، وہ اسلامی تصور کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، انہوں کہا:۔

> اللہ نے ہمیں اس لیے برپا کیا ہے کہ وہ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے ہم اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی عبادت کی طرف لائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر اسلام کی وسعت کی طرف لائیں، مذاہب کے ظلم وجور سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف لائیں"۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب شکایت ملی کہ مصر کے والی عمرو بن العاص نے ایک نصرانی کو مارا ہے تو انہوں نے عمرو بن العاص کو طلب کیا اور کہا:

> اے عمرو! تم نے ان کو غلام کب سے بنالیا، ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا ہے" (تاریخ الخلفاء للسیوطی، حقوق الانسان فی الاسلام للوافی، ۲۷)

سعد بن ابی وقاص کو لکھا کہ

> اللہ اور بندہ کے درمیان تعلق اطاعت کا ہے، اس کے نزدیک شریف اور گھٹیا دونوں ہی انسان ہونے میں برابر ہیں۔

(حقوق الانسان فی الاسلام/ڈاکٹر محمد زحیلی ۱۵۴، ۲۷)

امام شافعی کا بیان ہے کہ

> قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے ایک نصرانی کو قتل کر دیا، تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ اس کو حوالہ کر دیا

گیا اور مقتول کے ورثہ نے اس کو قتل کر دیا۔ (الفاروق از مولانا شبلی نعمانی)

فتح بیت المقدس کے موقع پر سلطان صلاح الدین ایوبی نے جس عالی ظرفی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا، وہ عیسائی مؤرخ اسٹینلے لین پول (Stanley Lane-Poole) کی زبان سے سننے کے قابل ہے، لین پول لکھتا ہے:۔

''صلاح الدین نے کبھی اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور باہمت نائٹ ثابت نہیں کیا تھا، جیسا کہ اس موقع پر کیا، جب یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جارہا تھا، اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار نے جو اس کے تحت تھے، شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم وزیادتی کو روکتے تھے، اور اس کا نتیجہ تھا کہ ایسا کوئی واقعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہونچا ہو، پیش نہ آیا، شہر سے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا، اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا، کہ ہر شہری کو جو زرفدیہ ادا کر چکا ہو باہر جانے دے۔

لین پول آگے لکھتا ہے:۔

اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی نے اپنی طرف سے اور بالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی، اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں، اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کردیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زرفدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے، آزاد کئے جاتے ہیں، کہ جہاں چاہیں وہ جائیں، اور یہ سب باب البعزر سے نکلنے شروع ہوئے اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں، یہ خیر وخیرات تھی جو صلاح الدین نے بیشمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی، غرض اس طرح سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس مغلوب ومفتوح شہر پر اپنا احسان وکرم کیا''۔

(تاریخ دعوت وعزیمت از مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، جلد اول، ۲۶۸)

مسلم فاتحین کا اپنی رعایا کے ساتھ معاملہ ہمیشہ رواداری کا رہا اور ان پر کوئی ظلم نہیں

ہوا، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہوا، خود ہندوستان میں مسلم حکمرانوں نے یہی روش اختیار کی، غوریوں سے لے کر مغلوں تک سبھی نے غیر مسلموں کے ساتھ انسانی ہمدردی اور مذہبی رواداری کا معاملہ کیا، مذہبی رواداری کا نمونہ پیش کرنے میں اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی مثال نہیں ملتی، حالانکہ انگریز اور متعصب قلمکاروں نے اورنگ زیب کو بہت بدنام کیا ہے، اور طرح طرح کے الزامات لگائے ہیں کہ انہوں نے جبراً ہندوؤں کو اسلام میں داخل کیا اور ان کے مندروں کو منہدم کیا، لیکن انصاف پسند مؤرخین اعتراف کرتے ہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر نے غیر مسلموں کے ساتھ بہت ہمدردانہ سلوک کیا، مذہبی رواداری برتی اور ہندوؤں کے مندروں کو مالی مدد فراہم کی اور اس کی انتظامیہ غیر مسلموں کی ایک تعداد تھی۔

ان کے والد شاہ جہاں تو رواداری کی علامت تھے، اور ان کے والد جہانگیر عدل وانصاف میں اتنے مشہور تھے کہ لفظ عادل ان کے نام کا جز بن گیا، انصاف پسند مورخین نے ان کے عدل وانصاف کا کھل کر اعتراف کیا ہے، اسلام اسی رواداری اور اخلاق کی بدولت دنیا میں پھیلا اور مفتوحہ ملکوں کی غیر مسلم اکثریت مسلم اکثریت میں تبدیل ہوگئی، اور مسلم فاتحین کی زبان اختیار کر لی، لیکن اس کے ساتھ غیر مسلموں کی زبانیں بھی اکثر علاقوں میں باقی رہیں، وہ اپنے مذہبی تشخصات، ثقافت اور زبان کے ساتھ رہے، ہندوستان اس کی بہترین مثال ہے، اس لیے کہ اس ملک میں مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکمرانی کی، غیر مسلموں سے روابط قائم کیے، ان کو حکومت میں شریک کیا، ان کے مذہبی امور میں کوئی مداخلت نہیں کی، یہی نہیں بلکہ مسلم حکمرانوں نے ان کے نسلی اور مذہبی امتیاز، مذہبی روایات اور عورتوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک جیسے معاملات میں بھی مداخلت نہیں کی، انہوں نے اپنی رعایا کو ان کے طریقہ پر چھوڑ دیا۔

امت محمدی کی امتیازی صفت: دعوت

تاریخ میں اسلامی عدل وانصاف کی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں، لیکن دشمنوں نے

اسلام کی روشن تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا اور عدل وانصاف کی مثالوں کو ظلم وتشدد میں اور رواداری ومحبت کو نفرت وعداوت میں تبدیل کردیا، آج بھی عالم اسلامی میں دیگر مذاہب کے ساتھ احترام اور مذہبی رواداری کی مثالیں موجود ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کی بڑی تعداد امن وسکون سے رہ رہی ہے، ان کے ساتھ زور زبردستی اور ظلم وزیادتی نہیں کی جاتی اور نہ ہی انہیں تبدیلی مذہب پر مجبور کیا جاتا ہے، اسی رواداری کا نتیجہ ہے کہ غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد اسلام کے اس مثالی سلوک سے متاثر ہوئی اور اسلام قبول کرلیا۔

ہندوستان سمیت پوری دنیا میں اسلام مسلم داعیوں، مصلحین اور علماء ربانیین کی کوششوں سے پھیلا، جنہوں نے حکام سے دور رہ کر خاموشی سے دعوت کا کام کیا، مستشرقین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے، آرنلڈ لکھتا ہے کہ دنیا میں اسلام داعیوں، مصلحین اور صلحاء کی کوششوں سے پھیلا، تاتاریوں کا قبول اسلام اس کی واضح دلیل ہے۔

تمام زمانوں میں اسلامی تحریکات اور جماعتوں کا امتیاز یہی دعوتی عمل رہا ہے، اور یہی امت مسلمہ کا شعار ہے، اس لیے کہ وہ امت دعوت اور امت ہدایت ہے { كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ (آل عمران: ۱۱۰) تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے، بھلائی کا حکم دیتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

لیکن افسوس صد افسوس! جس مقدس ومکرم ہستی نے انسانیت کا درس دیا، شرافت انسانی کی حفاظت کی، انسان کی جان ومال کو تحفظ فراہم کیا، مظلوموں کی دست گیری کی، یتیموں کی دلداری کی، عورتوں کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کیا، بے کسوں، مجبوروں، لاچاروں اور محتاجوں کی دادرسی کی، امن وآشتی کا درس دیا، دلوں سے نفرت وعداوت کو ختم کیا اور الفت ومحبت، رحمت وشفقت اور مودت وملاطفت کا پیغام دیا، اسی کی شان میں گستاخی کی جارہی ہے (فداه ابي وامي) جبکہ یہی وہ مبارک ہستی ہے جس نے ایسے وقت میں شرافتِ انسانی کا درس دیا جبکہ دنیا تہذیب وثقافت سے دور ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی۔

وقت کی اہم ضرورت

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں نے سیرت نبوی پر ایک قیمتی ذخیرہ تیار کیا، اور سیرت نبوی کا موضوع مسلم مصنفین کا پسندیدہ اور محبوب موضوع رہا ہے، اسی حب رسول اور ذات نبوی سے والہانہ تعلق و شیفتگی کے نتیجہ میں ان کے قلم سے ایسی نادر اور بیش قیمت کتابیں وجود میں آئیں جن سے اہل ایمان کے قلوب عشق رسول کی روشنی سے منور و فروزاں ہوتے ہیں اور ان کے دلوں میں حب رسول کی خاطر سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اہانت آمیز کارٹونوں کی اشاعت کے بعد اس جذبہ کا مظاہرہ و مشاہدہ خوب ہوا، پورا عالم اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہانت آمیز خاکوں کے خلاف دیوانہ وار سڑکوں پر نکل آیا، لیکن مسلم مصنفین کی کتابیں مسلمانوں ہی کی زبانوں میں ہیں اور یقیناً ان کتابوں نے حب رسول اور اتباع سنت کے جذبہ کو خوب فروغ دیا، اسی طرح نعتیہ قصائد نے بھی مسلمانوں میں شوق و سرور اور عقیدت کے جذبات کو اور جلا بخشی ہے، لیکن یورپ کے نظریہ کو ان کتابوں کے ذریعہ نہیں بدلا جاسکتا؛ بلکہ یورپ کے تصورات کو اسی کی زبانوں میں سیرت پر لٹریچر پیش کرنے سے بدلا جاسکتا ہے، بعض اخباری رپورٹوں کے مطابق کارٹونوں کے خلاف ردعمل کے اثر سے یورپ میں سیرت نبوی کے متعلق کتابوں کی مانگ اتنی بڑھی کہ اس کو پورا کرنا مشکل ہوگیا، لیکن افسوس یورپین زبانوں میں سیرت کا مواد کمیاب ہے۔

اس وقت عالم اسلام میں مختلف اسلامک سینٹر، اکیڈمیاں، مسلم ادارے اور اسلامی مراکز ہیں جو بحسن و خوبی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، یقیناً یہ انتہائی اہم اور مبارک فریضہ ہے، اس کے ذریعہ ہزاروں لوگ راہ یاب ہو رہے ہیں؛ لیکن اسلام اور سیرت نبوی کو علمی و فکری انداز میں پیش کرنا بھی وقت کا اہم فریضہ اور مسلمانوں کی اولین ذمہ داری ہے جو کسی طرح بھی دعوتی فریضہ سے کم اہمیت کی حامل نہیں؛ بلکہ تقریباً دونوں کی حیثیت یکساں ہی ہے، حالات کا تقاضا ہے کہ اسلامی نظام زندگی کی اہمیت و افادیت اور محسن

انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابناک حقیقی زندگی کو اہل یورپ کے سامنے علمی وعصری انداز میں پیش کیا جائے، چنانچہ اسلامی اداروں کی اولین ذمہ داری ہے کہ تاریخ اسلام اور سیرت نبوی کے موضوع پر علمی انداز میں ایسی کتابیں تصنیف کریں جن میں ذات رسول ﷺ کے متعلق کئے جانے والے تمام اعتراضات کا تشفی بخش اور قابل اطمینان جواب ہو، اسی کے ساتھ حالات اور یورپی مزاج ومذاق کا بھی بھرپور خیال رکھا گیا ہو، اس لئے کہ اس قسم کے شکوک وشبہات صرف غیر مسلموں کے ذہنوں ہی میں نہیں پائے جاتے، بلکہ یورپ کی نئی نسل اور مغربی تعلیم یافتہ مسلم طبقہ کے ذہنوں میں بھی یورپ کے گمراہ کن باطل نظریات کی وجہ سے نت نئے شکوک وشبہات نے جگہ بنالی ہے۔ ارباب علم وفضل اور اصحاب اختصاص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مشن کا بیڑا اٹھائیں، اور سیرت رسول ﷺ وتاریخ اسلام کو زمانہ کے مزاج و مذاق کے مطابق پیش کریں، کیونکہ اسی طریقہ سے شکوک وشبہات کو دور اور سیرت رسول کے پیغام کو پیش کیا جاسکتا ہے، اور یہ وقت کا ایک اہم اسلامی فریضہ ہے جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

اسلامی دعوت کے میدان عمل

موجودہ دور میں زندگی کے بیشتر میدانوں میں اسلامی اثرات نہ صرف ظاہر ہوئے ہیں؛ بلکہ ان میدانوں میں غیر اسلامی عناصر اورنئ تہذیب وتمدن کے پیدا کیے ہوئے مسائل وحالات سے نمٹنے کی قوت وصلاحیت کا اسلامی شخصیتوں اوراداروں نے ثبوت بھی دیا ہے اوران کا بہترین بدل پیش کیا ہے، زندگی کے جن میدانوں میں اسلامی فکروعمل نے کامیاب تجربے کیے اوراپنے لیے ان میدانوں میں زمین ہموار کی اوراپنے وجودوتشخص کوتسلیم کرالیا، ان میں ایک میدان دینی اورعصری تعلیم کا ہے، اکثر اسلامی ملکوں اورخود ہندوستان میں بھی عصری دانشگاہیں اورعلمی بحث وتحقیق کے مراکز اوراکیڈمیاں قائم ہوچکی ہیں اورایسے متعدد تعلیمی ادارے قائم ہیں جن میں مسلمان دینی ماحول میں رہ کرعلم جدید کی تعلیم حاصل کررہے ہیں اورجدید طرز واسلوب میں دینی علوم پڑھ رہے ہیں، اور خالص دینی تعلیم کے ان کے متعدد ادارے ہیں جومبلغ وداعی پیدا کررہے ہیں اورفاضل وماہر اساتذہ نہ صرف اسلامی موضوعات پرتحقیق کررہے ہیں؛ بلکہ اس بات کی کوشش بھی کررہے ہیں کہ اسلامی فکراورعصری علوم کے مابین ربط پیدا کرسکیں، انہی میں سے ایک جماعت سنجیدہ علمی بحث وتحقیق کے ذریعہ جدید اورمؤثر اسلوب میں مغربی مفکرین کی غلطیوں اورگمراہ کن نظریات کو بے نقاب کرہی ہے، دوسری جانب اسلامی ادارے اورتحقیقات ونشریات کے مرکزوں کے قیام کا سلسلہ جاری ہے اوران تعلیم گاہوں سے دینی افکارونظریات اوراسلامی رجحان کے حامل فضلاء بڑی تعداد میں نکل رہے ہیں جن کی تعداد میں برابر اضافہ ہورہاہے، اورماہر اساتذہ کی ایک جماعت اسلامی تربیت اوردعوتی عزم

کے ساتھ، یورپ، امریکہ اور افریقہ کی متعدد یونیورسٹیوں میں پہنچ گئی ہے اور موجودہ فکر پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر رہی ہے، اور شخصی روابط سے اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں ان کو ذہنوں سے صاف کر رہی ہے، اللہ کے فضل سے اس میں اور اضافہ ہو رہا ہے، اور اس کی وجہ سے علماء کے وقار میں بھی اضافہ ہو رہا ہے، اس تربیت یافتہ نسل نے ایک ایسا فکری انقلاب برپا کر دیا جس سے نہ صرف اسلام کے بارے میں پیدا کیے گئے شبہات کا ازالہ ہوا، بلکہ اس نے فکری جنگ کو مغرب کی طرف موڑ دیا، اس نسل نے جو مغرب کی مرعوبیت سے آزاد تھی، جدید مسائل کا آزادانہ مطالعہ کیا اور اسلامی فکر کو جدید اور موثر اسلوب میں پیش کیا، اس سے مستشرقین کا رعب بڑی حد تک ختم ہو گیا اور ان کی مکاریوں کا پردہ چاک ہو گیا ہے، اور اسلام کے مطالعہ کا نیا جذبہ و رجحان پیدا ہوا ہے۔ ان کوششوں کا بڑا فائدہ عصری تعلیم حاصل کرنے والے طبقہ میں دینی شعور اور اسلامی تعلیمات سے واقفیت کے تناسب میں اضافہ ہے جبکہ سابق عہد میں عصری تعلیم کو الحاد اور مغرب پرستی کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔

بعض علاقوں میں ایسے ادارے بھی قائم ہو گئے ہیں جہاں عصری تعلیم حاصل کرنے والوں یا تجارت وصنعت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے خارج میں دینی تعلیم کا نظم کیا جاتا ہے، اس سلسلہ کو اور وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔

غیر مسلموں میں اسلام کے صحیح تعارف کا عمل بھی جاری ہے، اس میدان میں ایک تعداد سرگرم عمل ہے جس کے بڑے اچھے نتائج برآمد ہو رہے ہیں، اسلام کے صحیح تعارف کی کوششوں کے نتیجہ میں غیر مسلموں میں ایک بڑی تعداد اسلام کی حامی پیدا ہو گئی ہے جن میں بعض اپنے اپنے حلقہ میں اسلام پر اعتراضات کا دفاع اور شکوک وشبہات کا ازالہ کر رہے ہیں۔ اسلام کے صحیح تعارف کے عمل کو وسیع اور تیز کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا میدان جس میں اسلامی بیداری کے اثرات محسوس ہوئے ہیں، وہ اقتصادی میدان ہے، جس کو مغربی تمدن کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے، جس کے بارے میں یہ تصور تھا کہ

ایک ترقی یافتہ اقتصادی نظام بغیر سود کے کامیاب نہیں ہوسکتا، جب کہ بلاسودی اسلامی بینکوں کے کھل جانے اور کامیاب ہوجانے سے یہ دعویٰ باطل ہوچکا ہےاور سرمایہ دار بینکوں کی جانب سے مشکلات پیدا کی جانے کے باوجود اسلامی بینکوں نے کافی اہمیت حاصل کرلی ہےاور اپنے کاروبار میں اضافہ کرلیا ہے، ان بینکوں کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نظام مغرب کے اقتصادی نظام سے زیادہ سہل اور نفع بخش ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت قلیل مدت میں یہ بینک مغربی بینکوں کے معیار کو پہنچ گئے ہیں، اور عالمی اقتصادی بحران نے جس میں پوری دنیا خصوصاً عالمی طاقت مبتلا ہے، اسلامی اقتصادی نظام کے مطالعہ اور اس کے اپنانے پر مجبور کردیا ہے، چنانچہ اس نظام کے مطالعہ اور سمجھنے کے لیے کانفرنسیں اور ورکشاپ ہورہے ہیں اور اسلامی اقتصادی نظام کے اپنانے کی آوازیں بلند ہونے لگی ہیں، خود ویٹی کن کی طرف سے بھی اسلامی اقتصادیات کے مطالعہ کی ہدایت جاری کی گئی ہے، غیر سودی اسلامی بینکوں کے رواج ومقبولیت کو دیکھ کر وہ اسلامی ممالک بھی جو اس نظام کو اپنانے میں تردد کا شکار تھے، اب تیزی سے اسلامی بینک کھول رہے ہیں، اس طرح بہت سے اسلامی ملکوں میں سرمایہ کاری کی اسکیمیں، امدادی سوسائٹیاں اور صنعت وتجارت اور تعمیر کے میدان میں تعاون کرنے والی کمیٹیاں قائم ہورہی ہیں، جو کافی مقبول اور کامیاب ہورہی ہیں اور توقع سے زیادہ آمدنی کے ذرائع حاصل کررہی ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس راہ میں کی جانے والی جدوجہد بارآور ہوئی ہے، اور اس کامیابی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے پس پردہ کوئی غیبی طاقت کارفرما ہے، ان اسلامی بینکوں کے ذمہ داروں نے خود اعتراف کیا ہے کہ انہیں یقین نہیں تھا کہ اس قدر جلد اتنی زبردست کامیابی نصیب ہوگی۔

اس نظام کا دائرہ جب اور وسیع ہوجائے گا تو پھر وہ مزید محتاج اور غریب مسلمانوں کو مالی امداد فراہم کرسکیں گے جس سے زراعت وصنعت اور تعلیم کے سلسلے کو وسیع اور رائج کرنے میں مدد ملے گی، اور مسلمانوں کے پس ماندہ طبقوں کو اس لائق بنایا جاسکے گا کہ وہ چھوٹے چھوٹے منصوبوں کو پورا کرنے کا بوجھ برداشت کرسکیں، اسی طرح جہالت

وناخواندگی کودور کرنے کے لیے مدارس، اورغربت وبے روزگاری کے خاتمے کے لیے صنعتی مراکز قائم کرنے کے منصوبہ پرعمل کیا جائے گا، جس سے مسلمانوں میں تعلیم اورخوداعتمادی کارجحان بڑھے گااوراس طریقے سے اسلامی فکرکوعام کرنے اوراسلامی تصور کی روشنی میں زندگی کے دیگر میدانوں کے مسائل حل کرنے میں مدد ملے گی۔

بہت سے ایسے میدان بھی ہیں جوابھی تک اسلامی نمائندگی سے خالی ہیں، انہیں میں سے ذرائع ابلاغ بھی ہے، اطلاعات ونشریات کے موضوع پر متعدد کانفرنسوں کے انعقاد کے باوجودابھی تک اس میدان میں غیراسلامی عناصر حاوی ہیں جواسلام اورمسلمانوں کے خلاف رائے عامہ بنانے کی فکروکوشش میں مشغول ہیں وران کے انہیں گوشوں کی تصویر کشی کرتے ہیں جن سے اسلامی معاشرے کاصرف براپہلوابھرکرسامنے آتاہے۔

بین الاقوامی ذرائع ابلاغ ومیڈیا کی رپورٹوں اورجائزوں سے یہ ثابت ہوتاہے کہ اس میں صہیونی اورصلیبی عناصر گھسے ہوئے ہیں، جومغرب اوراسرائیل کودنیا کی ہمدردی حاصل کرانے میں کلیدی رول اداکررہے ہیں، مسلمانوں کی عزت وعظمت کوداغدارکررہے ہیں اورمسلمانوں کے تمام اقدامات کودہشت پسندی، تشدد پسندی، انتہا پسندی، پس ماندگی، خیانت وغداری اور جہالت کے عنوان سے پیش کررہے ہیں، جب کہ اسلامی ملکوں میں غیرمسلم عناصر کے ہراقدام کوحریت وبیداری کے لیے جدوجہد وانقلاب کا نام دیتے ہیں، اکثرمواقع پرمیڈیاوہ کام انجام دیتاہے جوایک مسلح فوج بھی نہیں دے سکتی، کیونکہ وسائل ابلاغ حالات کے بدلنے میں اہم رول اداکرتے ہیں۔

جوحکومتیں علمی صلاحیت،نفری طاقت اورمالی وسائل سے لیس ہیں وہ بین الاقوامی سطح پریہودیوں اورصلیبیوں کے زیراثر ذرائع ابلاغ واشاعت کا مقابلہ کرسکتی ہیں، اورایسا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ جدیدطرزاسلوب اورعلمی مواداوروسائل سے آراستہ اخبارات اورنشریات کا اجراء نہ کیا جائے جواکثریت کے ذہن پراثرانداز ہوسکیں اوربین الاقوامی سطح پرخبررساں ایجنسیاں نہ قائم کی جائیں جواسلامی دنیا کاصحیح رخ پیش کریں اوریہ

کام صرف مسلمانوں کی مذہبی وعلاقائی زبانوں میں ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا کی تمام بڑی اور اہم زبانوں میں یہ کام ہو، حقیقت تو یہ ہے کہ اس میدان میں اسلام کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کا مقابلہ کرنا کوئی ناممکن اور محال بات نہیں ہے، اس لیے کہ جب مسلمان سنجیدہ اور ٹھوس اقدام کریں گے تو اس خطرے کا مقابلہ بآسانی کر سکتے ہیں جیسا کہ انہوں نے دوسرے میدانوں میں کیا ہے، خواہ محدود پیمانہ پر ہی کیوں نہ ہو۔

ایک میدان خدمت انسانی کا ہے، یہ ایسا میدان ہے جس کے شہسوار مسلمان تھے، لیکن افسوس کہ آج دولت کی ریل پیل ہوتے ہوئے بھی ہم اس میدان سے باہر نکلتے جا رہے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے دینی حلقوں میں زکوۃ کا نظام قائم ہے، لیکن یہ محدود اور غیر منظم ہے، اسی طرح بعض اہل خیر حضرات فقراء، مساکین، غریبوں اور دیگر خیر کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں، لیکن یہ کوششیں بھی شخصی اور عیسائی ویلفیئر سوسائٹیوں کے مقابلہ میں غیر منظم ہیں، عیسائیوں نے عیسائیت کی تبلیغ واشاعت میں اور مغربی تہذیب وتمدن کو پھیلانے میں اس میدان سے بڑا فائدہ اٹھایا ہے، عیسائی مشنریوں نے اسلامی ملکوں میں بڑے پیمانے پر امدادی اور رفاہی اداروں کا جال پھیلا دیا ہے، قدرتی آفات ومصائب، زلزلے، طوفان اور سیلاب یا دیگر انسانی سانحوں کے موقعوں پر یہ ادارے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں اور امداد کے راستے سے اپنی فکر وثقافت اور طریقۂ زندگی کی تبلیغ کرتے ہیں، یہ میدان اسلامی فکر وعمل کا اہم میدان ہے، اس میں اسلام کی نمائندگی کمزور بلکہ بہت کم ہے۔

اسلام نے غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفات ومصائب کے شکار اور پریشان حال لوگوں اور بیماروں کی مدد پر زور دیا ہے اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے اور اسے کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۷۷﴾ (اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ) [سورۃ الحج: ۷۷] وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۲﴾ [سورۃ البقرۃ: ۲۷۲] (اور [مومنو] تم جو مال خرچ کرو گے تو اس

کا فائدہ تم ہی کو ہے، اور تم جو خرچ کروگے خدا کی خوشنودی کے لئے کروگے اور جو مال تم خرچ کروگے وہ تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا) وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ [سورہ سبا:۳۹] (اور تم جو چیز خرچ کروگے وہ اس کا تمہیں عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے) لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ [سورہ آل عمران:۹۲] (مومنو! جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں صرف نہیں کروگے کبھی نیکی حاصل نہ کرسکوگے اور جو چیز تم صرف کروگے خدا اس کو جانتا ہے) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ [سورۃ البقرۃ:۲۶۷] (مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے راہ خدا میں خرچ کرو، اور بری اور ناپاک چیز دینے کا قصد نہ کرنا کہ (اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو) بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کرلو ان کو کبھی نہ لو اور جان رکھو کہ خدا بے پرواہ اور قابل ستائش ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو کسی مؤمن کی دنیاوی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت کو دور کردے گا اللہ تعالی اس کی آخرت کی مصیبتوں میں ایک مصیبت کو دور کردے گا اور جو کسی مشکل والے کی مشکل آسان کرے گا اللہ تعالی اس کی مشکل دنیا اور آخرت میں آسان کرے گا اور جو مسلمان کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالی دنیا اور آخرت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا اور جو اپنے بھائی کی مدد میں ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہوگا'' (مسلم شریف:۲۶۹۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قابل رشک دو ہی طرح کے آدمی ہیں، ایک وہ جس کو اللہ تعالی مال دے اور وہ

اللہ کی راہ میں لٹائے اور دوسرا وہ جس کو اللہ حکمت دے تو وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے اور سکھلائے'' (متفق علیہ)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آگ سے بچو کچھ نہیں تو ایک کھجور کا ٹکڑا ہی دے کر'' (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالی فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے خرچ کر تجھ پر بھی خرچ کیا جائے گا'' (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں، ایک کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والوں کو نعم البدل عطا فرما، دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ بخیل کو تباہ و برباد کر'' (متفق علیہ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن آدم! اگر تو اپنے بچے ہوئے مال کو خرچ کر ڈالے گا تو یہ تیرے لیے بہتر ہوگا اور اگر تو اس کو بچا بچا کر رکھے گا تو یہ تیرے حق میں برا ہوگا اور بقدر ضرورت روکنے پر تجھے کوئی ملامت نہ کرے گا اور خرچ کی ابتداء اس شخص سے کر جس کا تو کفیل ہے اور اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے'' (مسلم شریف:۱۰۳۶)

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خرچ کر، گن گن کر نہ رکھ، ورنہ تجھے بھی خدا گن گن کر دے گا، اور باندھ باندھ کر نہ رکھ ورنہ تم پر بھی رزق باندھ دیا جائیگا'' (متفق علیہ)

رسوم اکرم محمد ﷺ نے انسانیت کو اس کی شرافت اور عظمت واپس کی اور اس کا کھویا وقار و اعتبار بحال کیا، اس ارشاد نبوی سے زیادہ انسان کی عظمت و عزت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ ''الخلق عيال الله، فأحب الخلق إلى الله من أحسن إلى عياله'' خدا کی مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے (سنن بیہقی)

انسانی رفعت اوراس کی خدمت کے ذریعہ تقرب الٰہی حاصل کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث بہت بلیغ اور معنی خیز ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالی قیامت میں پوچھیں گے: ''اے ابن آدم! میں بیمار پڑا، مگر تو نے میری عیادت نہیں کی؟ آدمی کہے گا: یارب! آپ تو رب العالمین تھے، میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ اس پر اللہ تعالی فرمائیں گے کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا، مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے؟

اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا، تو تم نے مجھے کھلایا نہیں؟ آدمی کہے گا: بارے الٰہا! آپ تو دنیا کے پالنہار تھے، آپ کو کیسے کھلاتا؟ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے تم سے کھانا مانگا مگر تم نے اس کو کھانا نہیں دیا؟ اگر تم اسے کھلاتے تو مجھے اس کے پاس پالیتے۔

اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے مجھے پانی نہیں دیا؟ آدمی کہے گا: خدایا! آپ تو رب العالمین ہیں میں آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ اللہ تعالی فرمائیں گے کہ میرے فلاں بندہ نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے اسے پانی نہیں دیا؟، اگر تم اسے پانی پلاتے تو مجھے اس کے قریب پاتے'' (مسلم شریف)

یہ میدان حقیقت میں خالص اسلامی میدان ہے، اس میں غیروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا رول بڑا فعال ہونا چاہئے اور مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے لیے اور پسماندگی کو دور کرنے کے لیے اس وقت اسکی سخت ضرورت ہے، مسلمانوں کو اس کی طرف پوری توجہ دینی چاہئے، محتاج اور غریب مسلمانوں کو مالی امداد فراہم کی جائے، جس سے قوم میں زراعت وصنعت اور تعلیم کے سلسلے کو وسیع اور رائج کرنے میں مدد ملے گی، اسی طرح جہالت وناخواندگی کو دور کرنے کے لیے مدارس، اسکول، کالج، اور غربت وبے روزگاری کے خاتمے کے لیے صنعتی اور ٹکنیکل مراکز قائم کیے جائیں، جس سے مسلمانوں میں تعلیم، خود

اعتمادی اور خود کفیل ہونے کا رجحان بڑھے گا۔

ہماری زندگی میں ایک اور اہم پہلو ایسا ہے جو غفلت اور بے توجہی کا شکار ہے اور وہ فوری توجہ کا طالب ہے، بلکہ وہ دعوت اسلامی کی ترجیحات میں سرفہرست ہے، یہ پہلو خود مسلمانوں کی عملی تربیت اور سلامی تعلیمات کے مطابق زندگی ڈھالنا ہے، آج اسلامی معاشرہ میں یہ پہلو انتہائی مخدوش نظر آتا ہے، کیا خواص اور کیا عوام، سبھی عملی زندگی میں اسلامی تعلیمات سے دور نظر آتے ہیں، اخلاقی اور سماجی کمزوریاں ہر جگہ پائی جارہی ہیں، بلاشبہ مسلمانوں میں اسلام کی خاطر قربانی کا جذبہ موجزن ہے، لیکن ان میں اسلامی تعلیمات اور ملی مصلحت سے ناواقفیت، اور حکمت وتدبر کی کمی پائی جاتی ہے، اسی طرح وہ دشمنان اسلام کی سازشوں سے سے بھی ناواقف نظر آتے ہیں، اسی ناواقفیت اور غفلت کی وجہ سے وہ دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہوجاتے ہیں اور پھر ان سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں جو انہیں تعمیر سیرت وکردار، عملی زندگی سنوارنے اور صالح اور شاندار مستقبل کی تعمیر سے غافل کردیتے ہیں۔

ایک طرف تو کتب خانے علمی تصنیفات سے پر ہیں، علمی ادارے اور اکیڈمیاں ترقی کررہی ہیں، علمی مذاکروں کی محفلیں گرم ہیں اور بین المذاہب مکالمے جاری ہیں، دوسری طرف مسلم معاشرہ انتشار واختلاف، باہمی کشمکش اور دینی انحراف وکمزوری ور پسپائی کا شکار ہے، اور مسلمان اصحاب فکر وعمل اور دعوت کا کام کرنے والے ان خطرات سے غافل ہیں جو معاشرہ کے چاروں طرف منڈلا رہے ہیں؛ بلکہ روز بروز بڑھتے جارہے ہیں، فرد اور جماعت کے اندر دینی کمزوریاں اور اخلاقی بیماریاں زور پکڑتی جارہی ہیں، اور ذرائع ابلاغ ان بیماریوں، کمزوریوں اور جرائم یا کرپشن کی خوب تشہیر کررہے ہیں، مسلم معاشرہ کے یہ برے حالات نومسلموں کو اسلام سے متنفر کررہے ہیں۔

مسلم معاشرہ کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح اور مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب کے ازالہ کی کوشش روشن مستقبل کی تعمیر کا پہلا مرحلہ ہے، اور جدید مسائل اور عصری

تقاضوں کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل پیش کرنا اسلامی عمل کی ترجیحات میں سے ہے، اس کی دلیل یورپ میں اسلامی نظام معاشیات کی مقبولیت اور اسلامی بینکنگ نظام کو اختیار کیا جانا ہے، یورپ سرمایہ دارانہ نظام اقتصادیات اور اسلامی اقتصادیات کے درمیان نمایاں فرق دیکھنے کے بعد اب اسلامی نظام معاشیات کو اختیار کر رہا ہے، اسی طرح مغربی مادی معاشرہ کی تباہ کاری اور زوال کے بعد یورپین اسلامی معاشرہ میں ضم ہو رہے ہیں۔

مسلم معاشرہ کا یہ شعبہ علماء ربانیین، مصلحین اور دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والوں کی فکر و توجہ کا طالب ہے، کیونکہ عملی تطبیق کے بغیر صرف فلسفے اور نظریے امت کی قیادت نہیں کر سکتے اور محض علمی موشگافیاں اور علمی تحقیقات خواہ کتنی ہی قیمتی اور وقیع کیوں نہ ہوں کسی قوم وملت کی تعمیر نہیں کر سکتے اور نہ ہی کسی ملک کو دشمن کے خطرے سے محفوظ اور مامون رکھ سکتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ محض فلسفات اور نظریات نہ تو سویت یونین کو زوال اور انتشار سے بچا سکے اور نہ ہی اشتراکی ملکوں کو، بلکہ حقیقت میں یہ نظریات اور فلسفے ان کے زوال کا سبب تھے اور نہ ہی مغرب کے خوشحالی کے محض نعرے اور فلسفات مغربی تمدن کو زوال سے بچا سکتے ہیں، اسلام نے جس وقت غلبہ اور حکومت وسیادت حاصل کی اس کے لشکر میں نہ تو فلاسفہ تھے اور نہ حکماء، بلکہ ایسے داعی تھے جن کی زندگیاں اسلامی تعلیمات کی سچی تصویر تھیں، چنانچہ انہوں نے عمل اور حسن اخلاق سے دل جیت لیے، پوری دنیا فتح کر لی، کیونکہ وہ اپنے علم پر عمل کرنے والے تھے، بلکہ ان کا عمل وکردار علم سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر تھا، ان کی پوری زندگی ان کے علم سے عبارت تھی، علم جب تک عمل کے ساتھ نہ ملے اور فلسفہ کو جب تک عملی جامہ نہ پہنایا جائے، اس وقت تک کسی قوم کو فلاح وبہبود سے ہمکنار نہیں کر سکتا، ممکن ہے کہ کچھ ذہنوں کو مطمئن کر دے یا چند زبانوں کو بند کر دے، لیکن یہ اثر دیر تک نہیں رہتا اور دلوں پر اس کی تاثیر ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔

اسلام نے علم کو عمل سے جوڑا ہے، ہمارے اسلاف جب کسی چیز کا علم حاصل کر لیتے تو جب تک اس پر عمل نہ کر لیتے آگے نہ بڑھتے، وہ باعمل علماء تھے، اور ان کا عمل علم و بصیرت کے ساتھ تھا، ان کی بصیرت اور فراست ان کے علم میں اضافہ کرتی تھی اور اس کی افادیت بڑھاتی تھی، ان کا ایمان ان کے علم میں نورانیت پیدا کرتا تھا اور اس میں تسخیر کی صلاحیت پیدا کرتا تھا، ان کی معرفت عمل سے آشکارہ ہوتی اور عمل ہی سے دوسرے لوگ اخذ کرتے تھے، صحابۂ کرام اور تابعین عظام اور بعد کے سلف صالحین کا عمل اور کردار دوسروں کے لیے علم و واقفیت کا سرچشمہ تھا، اگر ان کا علم ان کے عمل کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہوتا اور دعوت سے میل نہ کھاتا تو وہ لوگوں کے دلوں کو جیت نہیں سکتے تھے، اور ان کی زندگی سرچشمۂ علم اور قابل حجت نہ ہوتی، قرون اولی میں اسلام کی اشاعت اسی علم و عمل اور دعوت کے جوڑ سے ہوئی۔

اللہ کے فضل و کرم سے دعوت اسلامی کا کام کرنے والوں نے دین کی تعلیم واشاعت اور اس کی تشریح و تفہیم اور اس کے تعارف میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اور تعلیم و تربیت اور علمی و تاریخی موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئیں ہیں اور تصنیف کی جارہی ہیں ان پر ہمیں بجا طور پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے، لیکن ہمارا کام اسی حد تک ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ ہماری یہ کوششیں عمل و کردار سے عبارت ہوں؛ کیونکہ دنیا ہمارے کتب خانوں کو نہیں دیکھتی، جتنا کہ ہماری عملی زندگی کو دیکھتی ہے۔

مثال کے طور پر ہم اسلام کی اس فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے اور سب لوگ برابر ہیں، برتری اور تفوق کا معیار صرف تقوی ہے، اسی طرح پڑوسیوں کے حقوق، افراد خانہ کے حقوق، اساتذہ اور طلبہ کے حقوق، حاکم اور رعایا کے حقوق، صداقت، دیانت، عفت و حیاء، پاکبازی اور خدا کے یہاں جواب دہی کا تصور ہے، ناحق خون اور سود کی حرمت، عدل و انصاف اور وہ تمام خصوصیات جو اسلامی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور جن کے بارے میں اسلام کی واضح تعلیمات ہیں، اگر کوئی شخص ان تعلیمات کا نمائندہ معاشرہ دیکھنا چاہے تو کیا اس کی خواہش پوری ہو سکتی ہے؟۔

اسلام کا معتدل تصورِ حیات

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مسلم معاشرہ اسلامی تعلیمات کا نمائندہ بھی ہو؛ بلکہ حقیقی اسلامی معاشرہ کہلانے کا مستحق صرف وہ معاشرہ ہے جس کے افراد عقیدہ اور عبادت سے لے کر گفتار و کردار اور سلوک و معاملات تک میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں، پورا معاشرہ اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار ہو، اسکی تہذیب میں، ثقافت میں، اخلاق وسلوک میں اور معاملات میں اسلام کی چھاپ جھلکتی ہو، پورا قرآن مجید زریں اور واضح معاشرتی اصولوں اور ضوابط سے بھرا پڑا ہے، حدیث شریف اور سیرت نبوی میں اخلاقی اور معاشرتی قدروں کی تفصیلی تعلیمات وہدایات موجود ہیں، یہی نہیں؛ بلکہ صحابہ، تابعین اور صلحاء امت کی زندگیاں بھی حقیقی اسلامی معاشرہ کی ترجمان ہیں۔

مثال کے طور پر قرآن شریف کی اس آیت کو لیجئے جس کے اندر (حقوق اور معاملات کے باب میں قرآن کی تعلیمات کتنی اہم اور سخت ہیں) عقیدہ توحید کے بعد فوراً والدین کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

[سور بنی اسرائیل: ۲۳]

’’تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے کہ بجز اس ایک رب کے اور کسی کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے حسن سلوک رکھنا۔‘‘

آج کا مسلمان خود اپنا محاسبہ کرے کہ وہ کتنا ان حقوق کا ادا کرنے والا ہے؟ اسی طرح ناحق قتل نفس پر قرآن کی تنبیہ اور وعید پر نظر ڈالی جائے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ [سورہ انعام:۱۵۱]

''اور جس جان کی اللہ نے محفوظ کررکھا ہے اسے قتل مت کرو بجز حق شرعی کے۔''

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ [سورہ مائدہ:۳۲]

''جو کوئی کسی کو کسی جان کے عوض کے یا زمین پر فساد کے عوض کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا۔''

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانوں کے ساتھ حسن سلوک تو کجا، بلکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں کے ساتھ پیار بھرا معاملہ کیا کرتے تھے، اور اس کے کرنے والے کو اجر وثواب کی بشارت اور نہ کرنے والے کو اللہ عز وجل کی پکڑ سے ڈرایا ہے۔

موجودہ تہذیب نے معاشرہ کو جس بھیانک روگ میں مبتلا کردیا ہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ کا ہر فرد ذاتی فوائد کا بھوکا اور شخصی مصالح ہی کا جویا اور متلاشی ہے، حالانکہ سچے پکے اسلامی معاشرہ کی جو بنیاد ہے، وہ قائم ہے صدق گوئی پر، امانت داری پر، عفت و پاکدامنی پر، عدل و انصاف پر، عفو و درگذر پر، امر بالمعروف نہی عن المنکر یا کم از کم برائی کو برا سمجھنے، اچھائی کو اچھا سمجھنے پر، اسراف سے دور رہنے پر، مظلوم کی نصرت پر، ایثار وقربانی کے جذبہ پر اور سب سے بڑی چیز اللہ کے نزدیک اپنی احساس ذمہ داری پر، یہی وہ بنیادی اصول ہیں جن کے بغیر اسلامی معاشرہ کی تشکیل مشکل؛ بلکہ ناممکن ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ جس معاشرہ کی تشکیل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہوئی ہو، وہی معاشرہ مثالی معاشرہ، صالح معاشرہ اور ممتاز معاشرہ کہلانے کا مستحق ہے، اس ممتاز معاشرہ کا ہر فرد باعزت اور پرامن زندگی گذارتا ہے، یہ جامع، مربوط اور مستحکم معاشرہ صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں ہے؛ بلکہ پوری انسانیت اس جیسے معاشرہ کی

محتاج ہے کیونکہ اس معاشرہ کی بنیاد نہایت پختہ اور مضبوط ہے، خالص عقیدۂ توحید اس کی جان ہے، زندگی کے ہر گوشہ کے لیے اسلام کی مکمل اور مفصل تعلیمات بالکل عیاں اور بیاں ہیں، اسلام کی یہ سنہری تعلیمات مسلم وغیر مسلم کے مابین سلوک کی حدیں قائم کرتی ہیں، انسان کو عالی ذوق کا حامل بناتی ہیں، سوچنے اور غور وفکر کا صاف وشفاف ملکہ پیدا کرتی ہیں جو عبادت اور مذہبی رسومات تک ہی محدود نہیں رہتا؛ بلکہ کھانے پینے کے آداب سکھاتا ہے، معاملات، تعمیرات اور انسانی زندگی کے تمام میدانوں میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔

اس مثالی اسلامی معاشرہ کا پروردہ ایک مسلمان، نظافت، قلب کی کشادگی، شعور کی بلندی اور ہم آہنگی ویگانگت میں ممتاز ہوتا ہے، اس معاشرہ میں کسی کی ہتک عزت کی اجازت نہیں ہے۔ رہی بات انسان کی تو وہ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، نیکی اور عفو ودرگذر کا معاملہ کیا جائے کیونکہ تمام مخلوق اسلام کی نگاہ میں اللہ کا کنبہ ہے، اسلام میں فضیلت کا جو معیار ہے، وہ صرف تقوی ہے، اسلام میں رنگ ونسل، ذات پات اور جاہ ومنصب کی بنیاد پر کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی جاتی ہے۔

اسلامی عقیدہ کے ماننے والے کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کے اندر احساس ذمہ داری بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے، ضبط وتحمل کی صلاحیت بھی اسکے اندر موجود ہوتی ہے حتی کہ وہ مشکوک اشیاء سے اپنے کو بالکل الگ رکھتا ہے "دع ما یریبک إلی لا ما یریبک" اس لیے کہ اس کا ایمان اس اللہ پر ہے جو خوب سننے والا اور خوب باخبر ہے، وہ نگاہوں کی خیانت کو جانتا ہے، نہاں خانۂ دل بھی اس سے مخفی نہیں ہے، جس نے ذرہ برابر بھی خیر کا عمل کیا ہوگا اس کو اس کی جزا ملے گی اور جس نے برائی کا ارتکاب کیا ہوگا اس کو اس کی سزا ملے گی۔

مومن کی زندگی بڑی محتاط ہوتی ہے، خشوع وخضوع کی کیفیت طاری رہتی ہے، اللہ کی دی ہوئی ہر چیز پر خواہ کیسی بھی ہوشاداں، شاکراور صابر رہتا ہے، وہ تنگ دل نہیں ہوتا، ذہنی خلجان سے دور رہتا ہے، اضطراب و پریشانی کا عالم اس پر طاری نہیں ہوتا، پریشاں خاطر نہیں ہوتا، دل برداشتہ نہیں ہوتا، کبر ونخوت کا اظہار نہیں کرتا، ان سب باتوں کے ساتھ وہ غیور ہوتا ہے، خودار ہوتا ہے، کسی کی غلامی اسے برداشت نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ صرف ایک اللہ کے آگے اپنی پیشانی خم کرتا ہے اور اسی کے سامنے اپنی عبدیت کا اظہار کرتا ہے، بزدلی اور پست ہمتی اس کو چھو کر بھی نہیں جاتی، اس لیے کہ وہ موت سے نہیں ڈرتا۔ اسی طرح نہ وہ کمزور ہوتا ہے اور نہ ہی اسے رسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں نہیں ہوتی، لہذا دنیاوی چمک دمک اس کو دھوکہ میں نہیں ڈال سکتی اور نہ ہی حوادث زمانہ اس کی ہمت توڑ سکتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اسلامی اجتماعی زندگی کے باب میں جس کی حیثیت سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی سی ہے، بہت سارے احکامات بیان کیے ہیں اور مومنین کو ان اسلامی حدود واحکامات اور اصول وضوابط کی خلاف ورزی کے انجام سے ڈرایا ہے، اس لیے کہ خلاف ورزی کی صورت میں یہ آہنی عمارت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گی۔

مسلمان کو زبان درازی اور دست درازی سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے، ایذا رسانی سے منع کیا گیا ہے حتی کہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنے کی تلقین کی گئی ہے چہ جائے کہ وہ کسی کے ساتھ زیادتی کرے، کوئی اگر اس کے ساتھ دست درازی کرے تو برابری کے ساتھ بدلہ لینے کی اجازت تو ہے؛ لیکن دوسری طرف عفو ودرگذر، صبر وبرداشت اور ضبط نفس وغصہ پی جانے کو باعث اجر اور افضل قرار دیا گیا ہے، پڑوسی کے حقوق اسلام نے سکھائے اور انکے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کی،

دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے طریقے بتائے، باہمی تعاون کے ذریعہ آپس میں محبت کے فروغ کے ذرائع بتائے، بے حیائی اور فحش کاری سے بچنے کے راستے بتائے، لوگوں کی عزت سے کھیلنے کو منع فرمایا اور اس سلسلہ میں بڑی سخت کارروائیوں اور محکم ومضبوط تدابیر کا سہارا لیا تاکہ معاشرہ انتشار وخلفشار اور اخلاقی انارکی اور بے راہ روی کا شکار نہ ہو، بلکہ پورا معاشرہ طاقتور اور متحد ہو کر زندگی گذارے۔

اسی کے ساتھ دین اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ معاملات کے مثالی اصول و مبادی متعین کیے، تاکہ مختلف طبقوں کے مابین کسی طرح کی کوئی کشمکش نہ ہو، لہٰذا اسلامی معاشرہ میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی الفت ومحبت، رواداری ور انسانی ہمدردی کا معاملہ کیا جاتا ہے، کسی بھی مذہب کی گستاخی کی جائے، کسی مذہب کے ماننے والوں کے پیشواؤں پر طنز کیا جائے، جملے کسے جائیں، قرآن کریم نے اس کو سختی سے منع کیا ہے، قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شان میں تعریفی کلمات آئے ہیں، مندرجہ ذیل آیت کے اندر قرآن مجید نے اجتماعی زندگی کے آداب واضح فرمائے ہیں:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ
الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾ وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾
وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا
اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾ اِنَّهَا سَآءَتْ
مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا
وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا
يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾ (سورۃ الفرقان: ٦٣-٦٨)

اور خدا کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل

لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز وادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھیو کہ اس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بُری جگہ ہے اور وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اُڑاتے ہیں اور نہ وہ تنگی کرتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ، ضرورت سے زیادہ نہ کم اور وہ جو خدا کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کا مارڈالنا خدا نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریقہ پر (یعنی حکم شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا۔

قرآن کریم نے اسراف اور بخل دونوں سے ایک ساتھ ڈرایا ہے اور اعتدال، میانہ روی کی دعوت دی ہے، اس مثالی معاشرہ کے اندر عزت و ناموس کو پامال نہیں کیا جاتا، سچائی اور راست گوئی اس معاشرہ کا شیوہ اور وطیرہ ہے، جھوٹی گواہی کا تصور ہی نہیں کیا جاتا، ناحق کسی کے معاملات میں مداخلت نہیں کی جاتی، اخلاق کی ان حدوں کو تجاوز کرنے والے کو یونہی آزاد نہیں چھوڑ دیا جاتا؛ بلکہ اس شر اور فتنہ کے سدباب کے لیے اسلامی عدالت میں تعزیرات اور سزائیں متعین ہیں۔

یہ ہے معاشرہ کے متعلق اسلام کی واضح اور مفصل تعلیمات کا خلاصہ، مومنین عقیدۂ توحید کے معاملہ میں بالکل فولاد ہیں، لیکن جب انکے اخلاق ومعاملات پر نظر ڈالی جائے تو ریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں، ایک صحیح العقیدہ مومن کی شان ہی یہی ہے کہ وہ عقیدۂ توحید میں فولاد کی طرح سخت اور معاملات واخلاق میں ریشم کی طرح نرم ہو، اس لیے کہ مومن کا عقیدہ ہی اسے اللہ کے احکامات بجالانے کی دعوت دیتا ہے، اور گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے، جب کسی معاشرہ میں فولاد کی سی سختی اور ریشم کی سی نرمی پیدا ہو جائے تو وہ ایک بہترین معاشرہ ہوتا ہے اور جب معاشرہ میں اجتماعی

اور شخصی حقوق کے مابین توازن قائم ہو جائے تو یہ معاشرہ ممتاز معاشرہ بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس جب ہم اس معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں جس کی تشکیل تہذیب حاضر کی روشنی میں ہوتی ہے تو انتہا پسندی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، وہ ایک انتہا پسند معاشرہ ہے، نہ اسکی خصوصیات ہیں جو اس کی پہچان بن سکیں اور نہ ہی اس کے امتیازات ہیں جو اس کی شان ہوں، اس کی عمارت ہی غلط بنیادوں پر قائم ہے، اس کی بنیاد ہی تناقضات کا مجموعہ ہے، اس کا کوئی مرکزی عنصر اور محور نہیں سوائے خودغرضی اور لذت نفس کے۔

ذرائع ابلاغ کے ذریعہ جس معاشرہ کو پیش کیا جارہا ہے ہیں وہ یہی معاشرہ ہے جس نے اخلاقی اور انسانی قدروں کو پامال کر رکھا ہے، بالفاظ دیگر تہذیب حاضر معاشرہ کی تشکیل کے قائل ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے نزدیک سماج چند افراد کے مجموعہ کا نام ہے جنکی آستینوں میں انانیت ونخوت کے بت چھپے رہتے ہوں، ہر شخص اپنے ذاتی نفع کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے، بس اسے اپنا الو سیدھا کرنے کی فکر رہتی ہے، اسے اپنی ناک کے آگے کسی کی ذلت کی پرواہ نہیں ہوتی، ہر ایک سے اس کا ذاتی فائدہ وابستہ رہتا ہے جب کسی معاشرہ کی یہ حالت ہو جائے تو صرف انسان کی کرامت وشرافت پر حرف ہی نہیں آتا؛ بلکہ وہ اپنے مقام ومرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ مغربی معاشرہ کے اعداد وشمار اس کا واضح ثبوت ہیں، تہذیب حاضر کے گہواروں میں انسان انسان کو کھائے جارہا ہے، ناتواں وکمزور انسان اپنی بے بسی پر ماتم کناں ہے کہ کس طریقہ سے شہ زوروں نے اس پر ظلم وجور کو روا رکھا ہے، اور اس کو غلامی کا طوق پہنانے کے کوشش کر رہے ہیں، کس طریقہ سے ایک انسان دوسرے انسان کی تکلیفوں، مصیبتوں اور رسوائیوں کا تماشائی بنا ہوا ہے، اور کسی کے اندر انسانی شعور بیدار نہیں ہوتا، عائلی زندگی کا شیرازہ منتشر ہے، حتی کہ پورا کا پورا معاشرہ ٹوٹ کر بکھر رہا ہے۔

آج دنیا کشمکش اور اختلافات کی آماجگاہ بن گئی ہے جہاں صرف شہ زوری کی ضرورت ہوتی ہے، ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کا جینا محال کیے ہوئے ہے، ارباب قوت و اقتدار نے کمزوروں کو ستا رکھا ہے، کمزوروں کے حقوق چھین رکھے ہیں، معاشرہ کا ہر فرد شک وشبہ کے دائرہ میں ہے، انسان کا انسان سے اعتماد اٹھ چکا ہے۔ قتل وغارت گری عام سی بات ہے، ہر سو ہوس ہی ہوس ہے، عیش وطرب اور دل لگی کے ذرائع کی بہتات ہے، زندگی گذارنے کا سلیقہ ہے اور نہ ہی اصول وآداب کا لحاظ، جن کی روشنی میں آگے قدم بڑھائے جاسکیں، بس ہر فرد تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے، نہ اس کی کوئی منزل ہے اور نہ ہی منزل کے نقوش، اول تو قوانین کا تصور ہی نہیں، اگر ہے بھی تو بس وقتی بندشوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا سامان ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہر فرد بشر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہے، یعنی احساس ذمہ داری کا فقدان، جب تک انسان کے اندر یہ شعور اور یہ تصور نہ بیدار ہو جائے کہ اس کے اوپر ایک ایسی ذات ہے جس کو پل پل کی خبر ہے، وہ نگاہوں کی خیانت کو اور رازہائے سربستہ کو بھی جانتا ہے، اس شعور کے پیدا کیے بغیر انسان کی تہذیب وتعمیر ناممکن ہے، بغیر اس کے معاشرہ کو ان آلائشوں سے پاک نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی مثالی اور ممتاز معاشرہ وجود میں آسکتا ہے۔

مسلم معاشرہ میں جو برائیاں عام ہیں اور جو اخلاقی انحراف در آیا ہے، اس کا سبب غیر اسلامی تربیت ہے، اور اس کے جو خارجی محرکات اور اسباب ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اسلام اس سے بالکل بری ہے۔

آج آزادی (Liberalism) اور اسلام میں لچک اور وسعت پیدا کیے جانے کی جو بات کہی جارہی ہے، دراصل وہ اسلامی معاشرہ کو تباہ و برباد کرنے کی گہری سازش ہے، تاکہ اس کے اندر لادینی رجحانات پیدا کر دئے جائیں اور اس کو غیر اخلاقی

بیماریوں میں مبتلا کر دیا جائے جس کے نتیجہ میں خیر وشر، حلال وحرام کے مابین تمیز کی صلاحیت ختم ہو جائے۔

مجلہ ''الرابطة'' (مکہ مکرمہ) کی ایک رپورٹ کے مطابق ملحدین مسلم حلقوں میں لیبرازم کو عام کرنے کے لیے کوشاں ہیں، ان کی بھرپور کوشش ہے کہ مسلمانوں کا اپنے دین اسلام سے تعلق کمزور بلکہ ختم ہو جائے، ان کا الزام ہے کہ اسلام اب زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا، اس لیے اس میں تبدیلی کی ضرورت ہے، ان ملحدین کا کہنا ہے کہ:۔

(۱) اسلام آزادی پر پابندی عائد کرتا ہے۔

(۲) اسلام میں انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے، اس میں نہ تعاون کا کوئی پہلو ہے اور نہ ہی عفو و درگذر کا کوئی گوشہ۔

(۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ختم کر دیا جائے۔

(۴) جہاد کو ختم کر دیا جائے۔

(۵) اسلام کو صرف عبادات کے دائرہ میں محصور کر دیا جائے، اس شرط کے ساتھ کہ عبادت کرنے والا اپنے بیٹے، بیٹیوں، بیوی اور بھائی کو ہر قسم کی برائی، فحاشی بدکاری اور ہم جنسی کی کھلی اجازت دے، اس پر اس کو کوئی عتراض نہ ہو۔

(۶) مسلم حلقوں میں منشیات کی تجارت، شراب نوشی، فسق وفجور، لواطت، سودخوری اور رشوت کی اجات عام کی جائے۔

(۷) قوم کو اپنا لیڈر منتخب کرنے کی آزادی ہو، اور علماء اسلام نے امیر کے انتخاب کا جو اصول اور طریقہ بیان کیا ہے اس میں نظر ثانی کی جائے۔

موجود زندگی جس میں بے راہ روی، اخلاقی بگاڑ، بے اصولی عام ہو چکی ہے، جانوروں کی زندگی سے چنداں مختلف نہیں ہے، اگر اس سے یہ امید کی جائے کہ اس

زندگی سے ایک مثالی معاشرہ وجود پذیر ہوگا تو خام خیالی ہے؛ بلکہ یہ زندگی معاشرہ کے لیے ناسور ہے، یہ معاشرہ کو پھاڑ کرر کھ دے گی، یہ زندگی کسی بھی پہلو سے انسانیت کے لیے باعث خیر نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ میں لیبرل ازم کی دعوت انٹرنیٹ اور اخبارات ورسائل کے ذریعہ جگہ جگہ پھیلائی جارہی ہے۔احساس کمتری کا شکار مغربی تہذیب کے پروردہ لیبرازم کو ان مسائل کے حل کے طور پر پیش کرر ہے ہیں جن سے مسلمان دو چار ہیں، مغرب زدہ افراد کی یہ سوچ وفکر صرف نہ یہ کہ غلط ہے؛ بلکہ وہ دسیسہ کاری پر مبنی سوچ ہے جس کا مقصد اسلامی معاشرہ کی تباہی و بربادی ہے، اور یہ کہ اس کی خصوصیات وامتیازات کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے۔

لیبرال ازم کی طرح جس کا مطلب زندگی کے تمام میدانوں میں آزادی اور بے راہ روی بلکہ فطرت سے بغاوت ہے، اسلام میں (Radicalism) کی کوئی گنجائش نہیں ہے، راڈیکال ازم کا مطلب تشدد، انتہا پسندی، جمود، قدامت پرستی اور بات بات پر تشدد اختیار کرنا ہے۔

اس کے برعکس اسلام سراپا اعتدال اور میانہ روی کا نام ہے، اسلام کی تعلیمات عین فطرت کے مطابق ہیں، ساتھ ہی ساتھ سہل اور آسان بھی، اسلام دین یسر ہے، حدیث شریف میں آتا ہے ’’بشروا ولاتنفروا، یسروا ولا تعسروا‘‘ (خوشخبری دو، نفرت مت دلاو، آسانی اور نرمی اختیار کرو اور سختی نہ کرو) دوسری جگہ ارشاد نبوی ہے ’’ إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه فسددوا وقاربوا وأبشروا‘‘ (دین آسان ہے، کوئی بھی اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالے، کیونکہ دین پر کوئی غالب نہیں آسکتا، میانہ روی اور اعتدال کی راہ اختیار کرو، اور خوشخبری دو)۔

اسلام کی معتدل تعلیمات کے مطابق مسلمانوں کی زندگی میں جب تک توازن وتناسب قائم نہ ہوجائے مسلمان اپنی زبوں حالی سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتے اور مثالی اسلامی معاشرہ اسی وقت وجود میں آئے گا جب اسلام کا صحیح اور معتدل تصورحیات اپنایا جائے گا، اس لیے کہ سلام ایک جامع، ہمہ گیراور ابدی ضابطۂ حیات ہے، اس میں مسلمان ہی نہیں؛ بلکہ انسانیت کے ہر مسئلہ کا حل موجود ہے۔

فکر و عمل میں
مطابقت و توازن پیدا کرنے کی ضرورت

اسلام ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، ولادت سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک انسانی ضروریات اور معاشرتی تقاضوں کو پورا ہی نہیں کرتا؛ بلکہ اس کے لیے صحیح اور واضح رہنمائی بھی پیش کرتا ہے، اسلام کا جامع نظام زندگی مختلف شعبوں پر مشتمل ہے جو آپس میں اس قدر مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے اگر جدا کر دیا جائے تو مکمل اسلامی نظام حیات کا تصور باقی نہیں رہ سکتا، بالکل اسی طرح جیسے کسی عمارت کی تشکیل میں کتنا ہی مضبوط، ٹھوس اور مفید تعمیراتی سامان (Building Material) استعمال کیا جائے، لیکن اس عمارت کو کسی تعمیری منصوبہ اور پلان کے تحت اور اس کے مختلف اجزاء کو آپس میں کوئی مضبوطی پیدا کرنے والی شے سے جوڑ کر نہ بنایا جائے، تو یہ تعمیری ڈھانچہ کھڑا تو ہو سکتا ہے؛ لیکن پائیداری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اور ہر آن اس کے گرنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

کچھ اسی طرح کی صورت حال موجودہ اسلامی معاشرہ کی ہے، جہاں بہت سے افراد، تحریکیں اور جماعتیں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی دینی، ملی، سماجی اور معاشرتی طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی ترقی و کامیابی کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں، سب کا اپنا ایک الگ لائحۂ عمل اور جدا طریقۂ کار ہے، منہج اور طریقۂ کار کا الگ ہونا کوئی اہم مسئلہ نہیں، یہ ایک فطری چیز ہے؛ لیکن کسی خاص طریقۂ کار اور فکر کو مضبوطی سے پکڑ لینا،

اسی پر جم جانا، اسی کو دین کی اہم خدمت بلکہ عین اسلام سمجھ لینا اور دیگر افراد و جماعتوں کے ساتھ تعاون و اتفاق نہ کرنا بعض دفعہ ایسے سنگین حالات پیدا کر دیتا ہے کہ اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اسلام سے کلی تعلق اور اس کی دعوت کے بجائے جماعتی اور گروہی رجحان اور اس کی حمیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح یہ کوششیں خالص اسلام کی طرف پہنچنے اور اس کی صحیح تعلیمات کو سمجھنے میں حائل ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ شدت و بے اعتدالی پر مبنی اختلافات اسلام کی صاف ستھری شکل کو بگاڑ دیتی ہیں۔

اس قسم کا انتشار اور اختلافات خاص وجوہات کی بنا پر پیدا ہوئے اور اسلامی کاز کے میدان میں کام کرنے والوں نے کسی ایک پہلو کو اختیار کر لیا اور اسی پر جم گئے، مثال کے طور پر کچھ لوگوں نے اصلاحی مراکز قائم کیے اور بس اسی پر قانع ہو کر رہ گئے، کہیں لوگوں نے مسلمانوں کی اجتماعی خدمت کو ہی دین سمجھ لیا، کچھ لوگوں نے صرف دینی تعلیم ہی کے ساتھ اپنے کو خاص کر لیا تو کہیں عصری تعلیم کو ہی ترقی و کامیابی کا واحد راستہ سمجھ لیا گیا، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی کوششیں سودمند ثابت نہیں ہو رہی ہیں۔

اس وقت عالم اسلام میں بہت سی جماعتیں اور تنظیمیں ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے اپنے طریقہ پر اسلام اور مسلمانوں کے لیے کام کر رہی ہیں، لیکن ان کی تمام تر کوششیں انفرادی نوعیت کی ہیں جن میں باہم ایک دوسرے سے کوئی تعلق اور اتفاق نہیں، بلکہ بہت سی ایسی تحریکات ہیں جو محض نقطۂ نظر اور منہج کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی سخت مخالف ہیں؛ بلکہ ایک دوسرے کو منحرف سمجھتی ہیں، یہ ایسے افراد اور جامع شخصیات کے فقدان کی وجہ سے ہے جو دین اسلام کو اصل بنیاد اور جامع نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کریں اور منتشر کوششوں میں ربط و ہم آہنگی اور اتحاد و اتفاق پیدا کریں تاکہ مسلمانوں کی توانائیاں اور صلاحیتیں ضائع نہ ہوں۔

مسلمانوں کی پریشانی یہ نہیں کہ اسلام ان کی زندگی میں بالکلیہ نظر نہیں آتا اور اسلامی تعلیمات کے عملی نمونے پائے نہیں جاتے، صاف اور صحیح عقیدہ کے ماننے والے اور

اس پر مضبوطی سے قائم رہنے والے افراد بھی ہیں، عبادات، اخلاق اور معاملات کی درستگی پر بھی توجہ دی جارہی ہے، دعوت الی اللہ اور تبلیغ اسلام کی کوششیں بھی ہورہی ہیں، اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ (جان ومال) قربان کرنے کا جذبہ بھی مسلمانوں میں موجزن نظر آتا ہے، غرضیکہ معاصر زندگی میں اسلامی زندگی کے ہر شعبہ کی نمائندگی موجود ہے، لیکن پریشانی کا باعث یہ ہے کہ مسلمانوں کی بہتر صورت حال کے لیے ان سب کوششوں کے باوجود کوئی قابل قدر نتیجہ ظاہر نہیں ہورہا ہے، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ کوششیں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ اور منتشر ہیں؛ بلکہ کہیں کہیں ٹکراو کی صورتحال ہے، ہر تحریک اور جماعت اپنے ہی دائرہ کار میں محدود اور اسی سے کلی طور پر منسلک ہے، ان کے پاس اتنی بھی فرصت نہیں یا وہ چاہتے ہی نہیں کہ دوسرے کام کرنے والوں اور ان کے طریقہ کار کو سمجھیں، ان کی طرف اتفاق وتعاون کا ہاتھ بڑھائیں، مثال کے طور پر کوئی تنظیم یا جماعت مسلمانوں میں تعلیم وتربیت کے لیے سرگرم ہے تو وہ اسی کو سب سے اہم ضرورت اور اسلام کی خدمت سمجھتی ہے، اگرچہ اسی علاقہ یا دنیا کے کسی خطہ کے مسلمانوں میں ارتداد پھیل رہا ہے تو وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھتی ہے، کچھ افراد دعوت وتبلیغ میں مشغول ہیں، مگر اسی علاقہ کے مسلمانوں میں جہالت یا غربت عام ہے، لیکن انہیں اس سے بالکل سروکار نہیں کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کی فکر کریں، بالآخر وہ مسلمان غیروں کا سہارا لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں، کچھ افراد اگر عوامی ورفاہی خدمت، سماجی اور معاشی مسائل حل کرنے کی فکر میں ہیں تو وہ اصلاح نفس، تعلق مع اللہ، اسلامی اخلاق، دعوت وتبلیغ، آپسی بھائی چارہ جیسے اہم امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ نتیجۃ بہت سے مسائل اور مشکلات ایسی ہیں جن سے اسلامی معاشرہ مسلسل دوچار ہے لیکن ان کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی، اس لیے کہ سب اپنے اپنے میدان عمل میں محدود ہیں، بہرحال مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی جو بھی کوششیں ہورہی ہیں وہ تمام مسلمانوں کے لیے ناکافی ہیں، صرف انہیں کوششوں اور سرگرمیوں پر اکتفا کرتے ہوئے عمومی تبدیلی اور بیداری کی امید کرنا محال ہے۔

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی ترقی وفلاح کے لیے جو کوششیں ہو رہی ہیں اور جن کے غیر معمولی نتائج ہمارے سامنے ہیں، وہ لائق قدر وستائش ہیں اور جو لوگ ان کو انجام دے رہے ہیں وہ قابل مبارک باد ہیں، وہ اپنے اس عمل ومحنت پر عند اللہ ماجور ہوں گے، لیکن پوری امت اسلامیہ کی ترقی وکامیابی کی فکر مشترکہ تعاون اور آپسی اتفاق کے بغیر بہت دشوار ہے، بحیثیت مجموعی امت کہ یہ فکر اور کوششیں اسوقت بار آور اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہیں جب مسلمانوں کی تمام جماعتیں اور تنظیمیں جو مختلف میدانوں میں دین کا کام کر رہی ہیں، آپسی تعاون اور ہم آہنگی کے ساتھ کام کریں، اگرچہ شروع میں محدود پیمانہ پر ہی یہ کوششیں جاری ہوں، مگر اس طور پر ہوں کہ دین کے تمام شعبے، عبادات، اخلاق، معاملات تعلیم وتربیت، خدمت خلق اور دعوت وتبلیغ سب ایک ساتھ جمع ہو جائیں اور مسلمانوں میں خاص طور سے دین کا کام کرنے والے افراد میں ایسے لوگ ہوں جو ان خصوصیات کے جامع ہوں، تاکہ امت کے تمام افراد اسلام اور مسلمانوں کی عزت ونصرت کے لیے ایک طاقت کے طور پر متحد ہو جائیں، دشمن کے فریب اور خطرات سے واقف ہوں اور اس کے لیے مناسب حکمت عملی اختیار کریں۔

جن لوگوں کے ذمہ بچوں کی تربیت ہے، یا تعلیم وتربیت سے جن کا تعلق ہے، یا دعوتی عمل سے منسلک ہیں، یا وہ کسی دوسری دینی اسلامی خدمت انجام دے رہے ہیں انہیں اپنے طریقہ کار میں شخصی اور اجتماعی حالات کا فرق ملحوظ رکھنا چاہئے، دینی احکامات کی اتباع میں اعتدال وتوازن کا خیال رکھیں، اور زندگی کے مختلف میدانوں پر مناسب اور معتدل انداز میں توجہ دیں، کیونکہ یہی وہ معتدل طریقہ کار ہے جس سے فکر وعمل میں اعتدال وتوازن پیدا ہو سکتا ہے، اور وہ خود اسلامی تعلیمات کا حقیقی پرتو اور دوسروں کے لیے نمونہ بن سکتے ہیں، امت کی اصلاح وترقی کا یہ ایک کارگر معتدل طریقہ ہے، اس کے لیے کسی ریلی، احتجاج، کسی کمیٹی اور تنظیم کی تشکیل کی ضرورت نہیں۔

اسلام نے مسلمانوں میں اختلاف وتفریق کو بہت ناپسند کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ

وسلم نے امت کو بڑی تاکید کے ساتھ اتحاد اور باہم مل جل کر رہنے کا حکم فرمایا ہے، اور مثال دے کر اس کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:۔ "المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً"۔ مومن اپنے بھائی کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط رکھتی ہیں۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:۔ "المسلم أخو المسلم لا يخونه ولا يكذبه ولا يخذله كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله ودمه، التقوى ههنا" مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس کے ساتھ خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ اس کو رسوا اور شرمندہ کرے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کی عزت وآبرو، اس کا مال اور اس کا خون، تقوی اس جگہ ہے (اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا)۔ (ترمذی)

ایک دوسری حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے " لا تحاسدوا ولا تناجشوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، ولا بيع بعضكم على بيع بعض، وكونوا عباد الله إخواناً"۔ باہم ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور کسی کے سودے پر سودا نہ کرو، اور ایک دوسرے سے بغض سے نہ رکھو اور ایک دوسرے سے اعراض کر کے اس کو نہ چھوڑو اور بعض کی بیع پر تم میں سے کوئی دوسرے کو رغبت دلانے کے لیے قیمت نہ بڑھائے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔ (رواہ مسلم)

لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کر جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن، قيل ومن يا رسول الله؟ قال: الذي لا يأمن جاره بوائقه"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، صحابہ نے دریافت کیا: کون یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا:: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی ایذارسانی سے محفوظ نہ ہو۔ (متفق علیہ)

"لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہوجاؤں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے والے کا ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی طرح مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی اہمیت کو انسانی جسم سے تشبیہ دے کر سمجھایا، مثل المؤمن في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت کرنے، رحم کرنے اور مہربانی کرنے میں جسم کی ہے کہ جب اس کے کسی عضو (حصہ) میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کا اس درد میں شریک ہوجاتا ہے۔

اسلام ایک زندہ اور تندرست انسانی جسم کے مانند ہے، جس کی تمام مؤثر کارکردگیاں اور صلاحیتیں اسی وقت ظاہر ہوں گی جب اس کے تمام شعبوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دین کا کام کیا جائے اور یہی پوری امت مسلمہ کے لیے دعوت دین کی ذمہ داری ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم معاصر مادہ پرست تحریکوں کی پیروی اور نقالی کرنے کے بجائے اپنے ماضی کے بے مثال تجربوں اور واقعات سے فائدہ اٹھائیں اور ان کو سامنے رکھ کر دین کا کام کریں، اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا راز اسی میں ہے کہ مسلمان مکمل طور سے اسلام کو اپنائیں، اس لیے کہ قرآن کریم مکمل اسلام چاہتا ہے {ادخلوا في السلم كافة}۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
کی مثالی زندگی

از

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

ترجمہ و پیشکش

محمد وثیق ندوی

ناشر
دار الرشید، لکھنؤ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

دوسرا ایڈیشن

۱۴۴۰ھ - ۲۰۱۹ء

نام کتاب : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالی زندگی

مؤلف : مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

ترجمہ و پیشکش محمد وثیق ندوی

صفحات : ۷۲

تعداد : گیارہ سو

قیمت : [redacted] ₹40

ملنے کے پتے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، فون: 0522-2741539

مکتبہ اسلام، گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ، فون: 9415912042

مکتبہ ندویہ، احاطہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ، فون: 9335070285

مکتبہ احسان، مکارم نگر، لکھنؤ، فون: 9793118234

مکتبۃ الشباب العلمیۃ، شباب مارکیٹ، مکارم نگر، لکھنؤ 9696437283

الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، لکھنؤ (0522)2610443. 6535664:

ابراہیم بکڈپو، میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی: 9919331295

ناشر

دار الرشید، لکھنو

E- mail: daralrasheed2000@yahoo.com

164/106 خاتون منزل حیدر مرزا روڈ، گولہ گنج لکھنؤ

فہرست

۵	پیش گفتار
۱۱	پیش لفظ
	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں
۱۶	محبت وفدائیت اور اتباعِ نبوی کے محیر العقول نمونے
۱۷	صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآنی آیات
۲۱	صحابہ کرام کے بارے میں احادیث نبویہ
۲۵	صحابہ کرام کی خصوصیات
۲۶	محبت وفدائیت کی چند مثالیں
۲۶	حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ
۲۷	حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ
۲۷	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
۲۷	حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ
۲۷	حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
۲۸	حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ
۲۹	حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ
۲۹	حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ
۳۰	حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ
۳۰	حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ
۳۰	ہر مصیبت ہیچ ہے
۳۱	حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ

حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ	۳۱
حضرت مالک خدری رضی اللہ عنہ	۳۲
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۳۲
حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ	۳۲
مکمل اطاعت وفرمانبرداری	۳۴
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۳۶
حضرت عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۳۸
عروہ بن مسعود ثقفی کا بیان	۳۹
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۴۰
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۴۱
صحابہ کرام کا ایمان ویقین اور آزمائش	۴۱
صلح حدیبیہ اور صحابہ کرام کی اطاعت وتابعداری	۴۳
فضالہ بن عمیرؓ اور عمرو بن العاصؓ کا واقعہ	۴۵
حضرات انصار سے موثر خطاب	۴۶
جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنفیذ	۴۸
قدسی جماعت	۴۹
صحابہ کرام معیار حق ہیں	۵۱
مدرسۂ نبوی کے تربیت یافتہ	۵۴
صبر وبرداشت کے نمونے	۵۷
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۶۰
عشق نبوی کے نمونہ	۶۲
ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ	۶۳
صحابہ کرام کا امتیاز	۶۶
درسگاہ نبوت کے فیض یافتگان	۶۸

پیش گفتار

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وبعد۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیار کیے ہوئے افراد میں سے ہر ایک نبوت کا شاہکار اور نوع انسانی کے لیے باعث شرف وافتخار ہے، انسانیت کے مرقع میں؛ بلکہ اس پوری کائنات میں پیغمبروں کو چھوڑ کر اس سے زیادہ حسین وجمیل، اس سے زیادہ دلکش ودل آویز تصویر نہیں ملتی، جو ان کی زندگی میں نظر آتی ہے، ان کا پختہ یقین، ان کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی بے تکلف زندگی، ان کی بے نفسی، ان کی خدا ترسی، ان کی پاکبازی، ان کی پاکیزگی، ان کی سخاوت، ان کی شفقت ورافت اور ان کی شجاعت وجلالت، ان کا ذوق عبادت، ان کا شوق شہادت، ان کی شہسواری، ان کی شب زندہ داری، ان کی سیم وزر سے بے پروائی، ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل اور ان کا حسن انتظام، دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، نبوت کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے جو انسانی افراد تیار کیے، ان میں ایک ایک فرد ایسا تھا جو اگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں، تو ایک شاعرانہ تخیل اور ایک فرضی افسانہ معلوم ہوتا، لیکن اب وہ ایک تاریخی حقیقت اور ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں''۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس چمکتی تحریر کو والد ماجد مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنو) کے ہاتھوں

سجے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات پر مشتمل، اس مہکتے اور مہکاتے حسین گلدستہ کا مقدمہ بناتے ہوئے ہم یہ گلدستہ آپ کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جس کو پروردگار عالم نے اپنے محبوب نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور آپ ؐ کی تعلیمات کی حفاظت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور اس پاکیزہ جماعت کے ایک ایک فرد نے پوری دیانت، امانت اور صداقت کے ساتھ اس اہم اور نازک ذمہ داری کو اسطرح انجام دیا کہ اس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو محبت کے اس مقام پر پہنچے کہ اس محبت پر یقین کرنا مشکل، جانثاری کی اس منزل تک پہنچے کہ اس منزل کو سمجھنا مشکل، فکر آخرت کے اس مرتبہ تک پہنچے کہ اس مرتبہ کا تصور مشکل، ہماری محرومی کہ ہماری آنکھیں اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکیں؛ لیکن احسان ہے ہم پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا، ایک ایک انداز، ایک ایک کیفیت، ایک ایک سنت، ایک ایک تاثر، ایک ایک عمل اور ایک ایک قول کو اس طرح بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوئے بھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں۔

ہم محسوس کریں یا نہ کریں، لیکن ہوتا کچھ ایسا ہی ہے کہ جب جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ ہوتا ہے تو ہمارے دل کی کیفیت اور ہمارے عمل کی صورت بدلتی ہے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اضافہ ہوتا ہے، صبر کا مزاج بنتا ہے، عمل کا شوق بڑھتا ہے، آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے، گناہوں پر ندامت ہوتی ہے، توبہ کی توفیق ملتی ہے، نماز میں دل لگتا ہے، عبادت کا شوق بڑھتا ہے، عمل میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، دل کا زنگ دور ہوتا ہے، دنیا کی طرف بڑھتے قدموں پر ایک بریک لگتا ہے اور دل چیخ چیخ کر دنیا

کومخاطب کرتے ہوئے وہی کہنے لگتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:۔

"دور رہ مجھ سے دور، وہ میرے علاوہ دوسرے لوگ ہیں جو تیرے دھوکے میں آتے ہیں، میں تو تجھے تین طلاق دے چکا ہوں، میرے لیے تیری طرف واپسی کا کوئی امکان نہیں، تیری عمر بہت مختصر، تیری زندگی بہت معمولی اور تیرا خطرہ بہت بڑا، آہ! سفر کتنا لمبا ہے، راستہ کتنا ویران ہے اور زادراہ کتنا مختصر ہے"۔

فکر کی بات یہ ہے کہ اس دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تذکرہ کم اور بزرگان دین اور اولیاء کرام کا تذکرہ زیادہ ہوتا ہے اور تذکرہ بھی ان کے کشف وکرامات کا نہ کہ ان کی اس عملی زندگی کا جو دوسروں کے لیے نمونہ بن سکے اور لوگوں کو عمل کی ترغیب دے سکے۔

صحابہ کرام کی زندگی سے ہمیں انفرادی زندگی میں بھی رہنمائی ملتی ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی عبارت تھی الفت ومودت سے، ایثار وقربانی سے، کینہ اور حسد سے پاک دل سے، خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو فائدہ پہنچانے سے، خدا کی خوشنودی پیش نظر رکھتے ہوئے مال کی طلب سے، ایک دوسرے کے لیے ان کے دل میں جو محبت تھی اور ایک دوسرے پر جتنے وہ مہربان تھے شائد ماں بھی اپنی اولاد پر اتنی مہربان نہ ہو۔

یرموک کی جنگ ہے، تپتی ہوئی زمین پر، زخموں سے چور، پیاس کی شدت سے پانی کے لیے بیتاب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں، مشکیزہ لیے ساقی جب حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچتا ہے اور پانی کا پیالہ ان کے منہ سے لگاتا ہے تو وہ سہیل بن حارث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو، یہ مجھ سے زیادہ پیاسا ہے، پانی کا پیالہ لیے وہ شخص سہیل بن حارث کے پاس پہنچتا ہے اور پیالہ ان کے ہونٹوں کی طرف بڑھاتا ہے تو وہ حارث بن ہشام کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہتے ہیں کہ پہلے میرے اس بھائی کو، پانی پلانے والا حارث بن ہشام کی طرف قدم بڑھادیتا ہے، لیکن جب وہ ان کے پاس پہنچتا ہے تو وہ دم توڑ چکے ہوتے ہیں، وہ پلٹ کر سہیل بن حارث کے پاس آتا ہے تو ان کی بھی روح پرواز کرچکی ہوتی ہے، وہ دوڑتا ہوا عکرمہ بن ابوجہل کے پاس پہنچتا ہے تو وہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکے ہوتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتاؤ، شروع میں تو ضرار بن ضمرہ نے معذرت چاہی، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اصرار پر اصرار کیا تو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کیے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کا اتنا اثر پڑا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے اور رخسار سے ہوتے ہوئے ان کی داڑھی پر گر رہے تھے، روتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ضرار بن ضمرہ سے کہا کہ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے، پھر انہوں نے ضرار بن ضمرہ سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ ان کے انتقال پر تمہیں کتنا صدمہ ہوا؟ ضرار بن ضمرہ نے جواب دیا: اس ماں کی طرح جس کا بچہ اس کی گود میں ذبح کردیا جائے، تو نہ تو کبھی اس کے آنسو تھمتے ہیں اور نہ کبھی اس کے دل کو قرار آتا ہے۔

مکہ مکرمہ سے مہاجرین کا قافلہ مدینہ منورہ پہنچتا ہے، خالی ہاتھ، تہی دامن، لٹاپٹا، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر، قربان جایئے اہل مدینہ کی مہمان نوازی پر، ان کے ایثار وقربانی پر، ان کی سخاوت وفیاضی پر، ان کی غمخواری وغمگساری پر، ان کی اسلامی اخوت ومحبت پر، اپنی ہر چیز میں آدھا حصہ اپنے مہاجرین بھائیوں کا لگادیا اور وہ بھی یہ کہتے ہوئے کہ آپ جو پسند کریں۔

اسلامی تاریخ کے ناقابل شکست جرنیل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دمشق کی مہم پر ہیں، فوج کی قیادت ان کے ہاتھ میں ہے، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم آتا ہے کہ قیادت ان سے لے کر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو دے دی جائے،

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی طرف سے نہ کوئی احتجاج ہوتا ہے نہ کوئی آواز اٹھتی ہے اور نہ ان کے چاہنے والوں کی طرف سے کوئی ردعمل سامنے آتا ہے؛ بلکہ ان کے منہ سے صرف یہ نکلتا ہے کہ امیر المومنین کا جو حکم ہو، میں اس کا پابند ہوں اور قیادت حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے ہاتھ میں دیکر ان کی ماتحتی میں اسی جذبہ کے ساتھ لڑنے کے لیے تیار نظر آتے ہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھتے ہیں تو خلاف معمول کھانے میں ایک میٹھی چیز دیکھتے ہیں تو تعجب سے اپنی اہلیہ سے پوچھتے ہیں کہاں سے آئی؟ اہلیہ جواب دیتی ہیں! گھر کے خرچ کے لیے جو آپ رقم دیا کرتے تھے اس میں سے بچا بچا کر میں نے اتنی رقم جمع کر لی تھی کہ آج یہ میٹھی چیز بنا سکی، خلیفۃ المسلمین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گویا گھر کا خرچ اس سے کم میں چل سکتا ہے جتنا میں تم کو دیا کرتا تھا، چنانچہ اسی وقت وہ بیت المال سے ملنے والی اپنی تنخواہ میں اتنی رقم کم کرا دیتے ہیں جو ان کی اہلیہ بچا لیا کرتی تھیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے یہ وہ چند واقعات ہیں جو ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہیں، آج صورتحال یہ ہے کہ بھائی بھائی کا حصہ دینے کو تیار نہیں، دوست دوست کی تعریف سننے پر آمادہ نہیں، احتیاط نام کی زندگی میں کوئی چیز نہیں، برطرفی تو بڑی چیز ہے، عہدہ گھٹا دیا جائے تو برداشت نہیں، ان حالات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی کے یہ نمونے سامنے لانے کی سخت ضرورت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تذکرہ کا اہتمام کیا جائے تاکہ ہماری نوجوان نسل ان کی عظمت، تقدس اور ان کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہو سکے اور ان کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ بنا سکے۔

یہ کتاب اصلاً عربی میں لکھی گئی تھی، مولانا محمد وثیق ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو اردو میں منتقل کیا اور اصل کتاب کی تاثیر،

مصنف کا جذبہ اور موضوع کی دلکشی و دل آویزی کو باقی رکھنے میں وہ بڑی حد تک کامیاب بھی رہے۔

اس کتاب کو آپ تک پہنچانا ہمارے لیے ایک بڑی سعادت کی بات ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی اس عمل کو قبول فرمائے اور اس کو ہم سب کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔

جعفر مسعود حسنی ندوی

۲۵/ربیع الثانی/۱۴۴۰ھ

۲/جنوری/۲۰۱۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء وخاتم المرسلين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد۔

رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام، دعوت اور نبوی تربیت سے ایسے نیک، صالح اور متقی افراد تیار کیے جو اللہ کی وحدانیت پر سچا ایمان و پختہ یقین رکھتے تھے، اللہ سے ڈرتے تھے، دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتے تھے، دنیاوی مال ومتاع کی ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں تھی، اپنی ایمانی اور روحانی قوت سے مادیت پر قابو پالیا تھا، ان کا یہ یقینِ راسخ تھا کہ دنیا ان کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ خود آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، وہ تجارت میں سچے اور امین تھے، فقر وفاقہ میں عزت نفس اور انسانی شرافت کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا، ہر حال میں صابر وشاکر تھے، قول وقرار کے پکے تھے، عمل میں خیر خواہی اور ہمدردی کے پیکر تھے، ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں مخلص اور امانتدار تھے، حکومت، اقتدار اور غلبہ کی حالت میں رحم دل، متواضع اور ملنسار تھے اور بیت المال کے بہترین محافظ اور واقف کار خازن تھے۔

اسی قدسی اور نبوی تربیت یافتہ جماعت کے فضل سے قرن اول میں اسلام پوری دنیا میں پھیلا، لہٰذا صحابہ کرامؓ اس امت کا خلاصہ اور عطر ہیں، بلکہ انبیاء اور رسولوں کے بعد پوری نوع انسانی میں سب سے افضل اور برتر ہیں، اللہ کو ایک مانا، اسلام کو اپنا دین مانا

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مانا، یہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ کی طرح راسخ اور مستحکم تھا، ایمان لاتے ہی ان کی دنیا بدل گئی، گویا ابھی پیدا کیے گئے ہوں، ان کا تاریک ماضی روشن ہو گیا، ان کے وجود میں ایمان کی لہر دوڑ گئی، اب بس ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ کی رضا وخوشودی حاصل ہوجائے، ان پر آخرت میں اپنے رب سے ملاقات شوق چھا گیا اور اس جنت کی طلب صادق پیدا ہوگئی جس کی وسعت زمین وآسمان بیان کی گئی ہے۔ صحابہ کرامؓ نے ایمان کے راستہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اللہ کی رضا کی خاطر اپنا وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا، طرح طرح کی اذیتیں اور مشقتیں برداشت کیں، جہاد کیا، اللہ اور اس کے رسول کے لیے قربانیاں دیں، انہی کی بدولت اسلام کا بول بالا ہوا، اس کو قوت واستحکام حاصل ہوا اور پھر لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہو گئے۔

وفات رسولؐ کے بعد صحابہ کرامؓ اسلام کے سچے داعی وسپاہی بن گئے، اسلام کے پرچم کو بلند کیا اور دنیا کے چپہ چپہ میں اسلام اور اس کی تعلیمات کو عام کیا، زندگی کی آخری سانسوں تک اسلام کی دعوت دیتے رہے اور اس کی خدمت کرتے رہے، لوگوں کو شرک وکفر کی تاریکیوں سے نکال کر توحید کی روشنی کی طرف لائے اور دنیا اور آخرت کی سعادت سے سرفراز کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسل ممتاز ترین اور افضل ترین نسل ہے جس کی اسلامی دعوت کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، بلکہ انبیاء کی تاریخ میں ایسا نمونہ نظر نہیں آتا، صحابہ کرام کے فضل واحسان کا انکار ہٹ دھرم اور سرکش شخص ہی کر سکتا ہے، تمام صدیوں میں اس امت پر ان کے احسانات ہیں اور وہ بغیر کسی تفریق وامتیاز کے قیامت تک نمونہ اور معیار ہیں۔

بلا شبہ تمام صحابہ کرامؓ نبوی مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں اور شجر نبوی کے پھل ہیں اور ابتلاء وآزمائش کے مختلف مراحل سے گزر کر پروانہ الٰہی ''رضي اللہ عنہم'' سے سرفراز ہوئے،

اس قدسی جماعت پر جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہوا، اگر کوئی کیچڑ اچھالتا ہے تو وہ درحقیقت نبوی تعلیم وتربیت اور شجر نبوی پر کیچڑ اچھالتا ہے۔

صحابہ رسول نے اطاعت خدا، اتباع رسول، اوامر کے نفاذ اور منہیات سے اجتناب میں اعلی ترین مثال قائم کی ہے، جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہی وہ قدسی جماعت ہے جس کے ذریعہ اسلام اپنی صحیح شکل وصورت میں ہم تک پہنچا ہے، پوری امت ان کے احسانات سے گراں بار ہے۔ صحابہ کرامؓ نے اسلام کی سربندی اور اس کی اشاعت کی خاطر جو بے مثال قربانیاں دیں ہیں، جن آزمائشوں سے گزرے ہیں اور خدا اور رسول کی اطاعت وانقیاد کے جوانمٹ نقوش چھوڑے ہیں، وہ سب تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے، غیروں نے بھی صحابہ کرام کے مقام ومرتبہ کا اعتراف کیا ہے۔

اسلامی تاریخ کا یہ بڑا المیہ ہے کہ شرعی علوم (تفسیر، حدیث اور فقہ) سے اشتغال کی وجہ سے مورخین اور مصنفین نے تاریخ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، نتیجتاً تاریخ کے موضوع پر ایسے لوگوں نے قلم نے اٹھایا جنہوں نے تاریخی روایات وواقعات کے سلسلہ میں اس اصول ومعیار کا خیال نہیں رکھا جو روایت حدیث میں اختیار کیا گیا، صرف روایات اکٹھا کردی گئیں اور ان کی چھان بین نہیں کی گئی، بعض مورخین نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے، خود اصفہانی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''الاغانی'' میں اس کا اعتراف کیا ہے، ان مورخین میں ایسے لوگ بھی گھس آئے جو روایات کے نقل میں محتاط نہیں تھے؛ بلکہ اپنی کتابوں میں رطب ویابس ہر طرح کی چیزوں اور اختلافی روایتوں کو داخل کردیا؛ بلکہ بعض عظیم اسلامی شخصیتوں کے تعلق سے افتراء پردازی سے بھی گریز نہیں کیا اور ان کی طرف من گھڑت باتیں منسوب کردیں، اسی وجہ سے تاریخی روایات میں تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے، علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد مستشرقین کا دور آیا اور انہوں تاریخ اور سیرت نبوی کو موضوع بنایا اور

ایسے مسائل اٹھائے جن سے بعض اسلامی شخصیتوں کے تعلق سے شبہات پیدا ہوئے، پھر ان کے عرب اور غیر عرب شاگردوں نے ان شکوک وشبہات کو اور ہوادی اور موثر انداز میں بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور آج بھی اسلامی تاریخ کو ایک مخصوص زاویہ سے پیش کرنے کا عمل جاری ہے، اس پروپیگنڈہ سے وہ مسلمان مورخین بھی متاثر ہوئے جن کی تعلیم وتربیت مستشرقین کے زیراثر ہوئی، یا اسلامی موضوعات پر مستشرقین ہی کی لکھی ہوئی کتابوں کو مرجع بنایا، اس کی مثال ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب ''سلسلة الفتنة الكبرى'' ہے، جن لوگوں نے مشاجرات صحابہ کو موضوع بنایا، ان کا مرجع اصفہانی کتاب ''الاغانی'' رہی ہے، اصفہانی ایک پیشہ ورصاحب قلم تھا، اس نے حجاز کے معاشرہ کی جو بدنما تصویر پیش کی ہے وہ اس زمانہ میں بھی تصور سے باہر ہے اور ایسی روایات نقل کردی ہیں جن سے صحابہ کرام کا مقام ومرتبہ اور اعتبار مجروح ہوتا ہے۔

موجودہ عہد میں ایک بار پھر ایسی کوششیں ہورہی ہیں اور ایسی کتابیں اور مقالات لکھے جارہے ہیں جن سے اسلامی تاریخ کا روشن چہرہ داغ دار ہورہا ہے اور بعض اسلامی شخصیتوں کو اور تاریخ میں ان کے مثالی کردار کو نشانہ بنایا جارہا ہے، حتی کہ صحابہ کرام، امہات المومنین اور صحابیات کو نشانہ بنایا جارہا ہے، ان مورخین اور مقالہ نگاروں کا مرجع وہ کتابیں ہیں جو تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں تصنیف کی گئیں جب کہ اسلامی معاشرہ مختلف عناصر پر مشتمل تھا خصوصاً فارسیوں (ایرانیوں) کا غلبہ تھا جن کا دل صاف نہیں تھا اور ان کے دل ودماغ میں عربوں کے ہاتھوں قادسیہ کی فتح کا زخم مندمل نہیں ہوا تھا۔ فقہی مسالک اور فرقوں کی وجہ سے بھی بعض صحابہ کو نشانہ بنایا گیا۔

پیش نظر رسالہ میں کوشش کی گئی ہے کہ صحابۂ رسول کے ان پہلوؤں کو سامنے لایا جائے جو عام طور پر نظروں سے اوجھل رہتے ہیں، یہ رسالہ اصلاً ان مقالات کا خلاصہ اور ترجمہ ہے جو فضائل صحابہ پر منعقد سیمیناروں میں پیش کیے گئے اور بعض عربی رسائل

ومجلات میں شائع ہوئے، اور پھر کتابی شکل میں شائع ہوئے، اب اردوداں طبقہ کے لیے پیش کیے جارہے ہیں، یہ کام میرے علمی معاون مولوی محمد وثیق ندوی (استاد تفسیر وادب دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو) نے انجام دیا ہے، انہیں اس کا بڑا سلیقہ اور ذوق ہے، اس سے پہلے بھی کئی مجموعے مرتب کر چکے ہیں، عربی سے اردو میں ترجمہ کے ساتھ حوالہ جات کی مراجعت بھی کی ہے۔ اللہ تعالی اس عمل کو قبول فرمائے اور ہم سب کو رسول اور اصحاب رسول کی محبت نصیب فرمائے (آمین)۔

۲۴ / ربیع الثانی / ۱۴۴۰ھ
یکم جنوری / ۲۰۱۹ء

محمد واضح رشید حسنی ندوی
ندوۃ العلماء لکھنو

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں

محبت وفدائیت اور اتباع نبوی کے محیر العقول نمونے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت طیبہ اور دین کی نصرت واشاعت میں ان کے غیر معمولی کارناموں اور اسلام کے فروغ کے لیے ان کی ناقابل فراموش خدمات کو وقتاً فوقتاً خود مسلمانوں کے سامنے لانے کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ دین اسلام پر اعتماد بحال رہے، اسلام کی صحیح شکل ان کے دل ودماغ میں تازہ رہے اور ایمان ویقین، اتباع سنت، حبِّ رسول اور اشاعت دین کے راستہ میں قربانی دینے کا جذبہ دلوں میں موجزن رہے، یہ قدسی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوئی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو جان ودل سے زیادہ عزیز رکھ کر راہ خدا میں سخت اذیتیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں، گھر بار چھوڑا، جہاد کیا، ہجرت کی اور دنیا میں دین کے پیغام کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ اور قرآن کے پیغام کو عام کرنے کے لیے نکل پڑے، ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک، عرب سے عجم تک اور جہاں ممکن ہوا وہ وہاں گئے اور جہاں خود نہ پہنچ سکے وہاں تابعین کو بھیجا، کچھ نے جام شہادت نوش کیا، کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ڈھال بنے اور دنیا کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں جاکر اپنے اعلی اخلاق وکردار کے ذریعہ اسلام کی حقانیت ثابت کی اور لوگوں کی تربیت کے ذریعہ ایمان ویقین دلوں میں راسخ کیا اور ربانیت پیدا کی، صحابہ کرامؓ کا قیامت تک آنے والی نسلوں پر احسان رہے گا،

کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے، یہ ایک حقیقت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآنی آیات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اسلام کے لیے قربانی، اللہ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فدائیت اور ایک دوسرے کے لیے ایثار، تعاون، ہمدردی، زہد و عبادت، تواضع، نماز میں انہماک، توحید کی پختگی، کفر و شرک سے آخری درجہ کی نفرت، اللہ کی رضا اور اس کے فضل کی طلب، توبہ و انابت، اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے آگے جان دینے اور سب کچھ قربان کر دینے کا جذبہ، خشیت اور اللہ کا خوف اور اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنے کا جذبہ، گناہوں سے اجتناب، طاعات کا شوق اور اس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور جو عہد کرنا اس کو پورا کر دکھانا، یہ سب صفات و خصوصیات اور امتیازات اسی قدسی جماعت کے تھے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت اور ان کے ساتھ جہاد و قربانی کے لیے تیار کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہ ان کے ان اوصاف کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنی رضامندی کا پروانہ دیا ہے {رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ} (سورۃ التوبۃ:۱۰۰)۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (سورہ فتح:۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، کافروں پر سخت ہیں،

آپس میں رحمدل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالی کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا انکھوا نکالا، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا جو کسانوں کو خوش کرنے لگا تا کہ ان کی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالی نے بخشش کا اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ (سورہ توبہ: ۱۱۷-۱۱۸)

یقیناً اللہ نبی پر اور مہاجرین وانصار پر مہربان ہوا جنہوں نے مشکل گھڑی میں بھی نبی کا ساتھ دیا جبکہ لگتا تھا کہ ان میں بعضوں کے دل پھر جائیں گے، پھر وہ ان پر مہربان ہوا، بلاشبہ وہ تو ان پر بڑا شفیق اور رحم کرنے والا ہے اور ان تین پر بھی جن (کے معاملہ) کو موخر کیا گیا، یہاں تک کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں ان پر دوبھر ہوگئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے سوا کہیں اور پناہ نہیں تو پھر وہ ان پر مہربان ہوا تا کہ وہ پلٹ آئیں، بلاشبہ اللہ ہی بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ

قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ (سورہ فتح:۱۸-۱۹)

اللہ ان ایمان والوں سے خوش ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے تو اس نے ان کے دلوں کو پرکھ لیا، پھر ان پر سکون اتارا اور قریب ہی ایک فتح انعام میں دی اور بہت سا مال غنیمت بھی ان کے ہاتھ آئے گا اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (سورہ توبہ:۱۰۰)

اور مہاجرین وانصار میں سے پہلے سبقت کرنے والے اور جنہوں نے بہتر طریقہ پر ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اسی میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہی بڑا کامیابی ہے۔

لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ڵ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورہ حشر:۸-۹)

(یہ مال فئی) ان وطن چھوڑنے والے محتاجوں کا بھی ہے جن کو ان کے گھروں سے اور مالوں سے نکالا گیا، وہ صرف اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں

اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور جو ایمان کے ساتھ پہلے ہی سے اس جگہ (یعنی مدینہ) میں مقیم ہیں، جو ان کی طرف ہجرت کرکے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں اور جو ان کو دیا جاتا ہے یہ اپنے جی میں اس کی خواہش بھی محسوس نہیں کرتے اور وہ (دوسروں کو) اپنی جانوں پر مقدم رکھتے ہیں، خواہ خود تنگ دستی کا شکار ہوں اور جو بھی اپنے جی کی لالچ سے بچالیا گیا تو ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں۔

إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧﴾

(سورہ سجدہ: ۱۵-۱۷)

ہماری نشانیوں کو ماننے والے تو وہ ہیں کہ جب وہ نشانیاں ان کو یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ اکڑ نہیں دکھاتے، ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے رہتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، تو کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان کے کاموں کے بدلہ میں کیا کچھ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ

هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ (سورہ شوریٰ: ۳۶-۳۹)

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور جو بڑے گناہوں سے اور بے حیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور اپنے رب کی بات مانتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ان کے معاملات آپس کے مشورہ سے (طے ہوتے) ہیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ مقابلہ کرتے ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۴﴾ (سورہ احزاب: ۲۳-۲۴)

انہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا وہ پورا کر دکھایا، تو بعضوں نے اپنا ذمہ پورا کر دیا اور بعض انتظار میں ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دیدے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے، یقیناً اللہ بہت مغفرت فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

صحابہ کرام کے بارے میں احادیث نبویہ

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق صحیح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جس میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بہت اہمیت کا حامل ہے:۔

"خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، قال عمران:

فلا أدري أ ذكر بعد قرنه قرنين أو ثلاثة؟ ثم إن بعدهم قوماً يشهدون ولا يستشهدون، ويخونون ولا يؤتمنون، وينذرون ولا يوفون، ويظهر فيهم السمن"۔

میری بہترین امت میرے زمانہ کے لوگ ہیں، پھر جو ان کے بعد آئیں گے، پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے، حضرت عمران کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات یاد نہیں رہی کہ آپ نے اپنا زمانہ ذکر نے کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا یا تین زمانوں کا، پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو گواہی دیں گے حالانکہ ان سے گواہی نہیں مانگی جائے گی، وہ خیانت کریں گے، امین نہیں بنائے جائیں گے، نذریں مانیں گے لیکن پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹا پا ظاہر ہو جائے گا۔
(بخاری ومسلم)

سابقین اولین کے فائق اور زیادہ بلند مقام کے حامل ہونے کے لیے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے بعد ایمان لانے والے صحابی اور شروع میں ایمان لانے والے صحابی کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا ہے:

"لا تسبوا أصحابي فو الذی نفسي بیده لو أنفق أحدکم مثل أحد ذهبا ما بلغ مد أحدهم و لا نصیفه"

میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم کہ اگر تم میں کوئی احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کے مد یا نصف مد کے برابر صدقہ کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:۔

''اللہ سے میرے صحابہ کے بارے میں ڈرو، ان کو ملامت کا نشانہ نہ بناو، جو شخص ان سے محبت رکھتا ہے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھتا ہے اور جوان سے بغض رکھتا ہے وہ میرے بغض کی وجہ سے بغض رکھتا ہے جو شخص ان کو اذیت دے اس نے مجھ کو اذیت دی اور جس نے مجھکو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جو شخص اللہ کو اذیت دیتا ہے قریب ہے کہ پکڑ میں آجائے''۔
(ترمذی، باب فیمن سبّ أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ومسند احمد: ۴/۸۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:
جب تم لوگوں کو دیکھو کہ وہ صحابہ کو گالیاں دے رہے ہیں، تو کہو: تم میں سے سب سے برے پر اللہ کی لعنت ہو۔ (ترمذی، باب المناقب)

ایک حدیث میں اپنے طریقہ کی اتباع کے ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ کو اختیار کرنے کی وصیت فرمائی، حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے میرے بعد جو بھی زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا تو ایسی صورت میں میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرتے رہنا اور اسے تھامے رکھنا اور دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا اور نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔ (امام احمد، ابوداود، ترمذی، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے)۔

اور ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''أصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم''

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اتباع کروگے ہدایت پاوگے۔

(جمع الفوائد ۲/۲۰۱)

امام بخاری نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے، اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے'' (کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ نجات پانے والا اور جنت میں داخل ہونے والا فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

جو اس راستہ پر چلے جس پر میں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں''۔ (ترمذی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے صحابہ کی عزت اور ان کا اکرام کرو، یقیناً وہ تم میں بہترین لوگ ہیں۔
(امام احمد، نسائی اور حاکم نے صحیح سند سے روایت کیا ہے)

ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ
میرے صحابہ کے بارے میں میرا خیال رکھو۔

(ابن ماجہ: ۲/ ۶۴، امام احمد: ۱/ ۱۸)

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

تم لوگ اس وقت تک برابر خیر و عافیت سے ساتھ رہو گے جب تک تمہارے درمیان وہ لوگ موجود ہوں گے جنھوں نے مجھے دیکھا اور میری صحبت اختیار کی، خدا کی قسم تم لوگ برابر خیر و عافیت کے ساتھ رہو گے جب تک تمہارے درمیان وہ لوگ موجود ہوں گے جنھوں نے مجھے دیکھنے اور میری صحبت اٹھانے والوں کو دیکھا (یعنی تابعین) (مصنف ابن شیبہ: ۱۲/ ۱۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ

تم میں جو شخص کسی کے طریقہ کو اختیار کرنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اختیار کرے، اس لیے کہ اصحاب رسول امت میں سب سے بہترین اور سب سے زیادہ نیک دل اور سب سے زیادہ گہرے علم والے اور سب سے کم تکلف برتنے والے اور سیرت و کردار میں سب سے بہتر تھے اور ان کے احوال سب سے اچھے تھے، یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ تعالی نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت و رفاقت کے لیے اور اقامت دین کے لیے منتخب فرمایا، چنانچہ ان کی فضیلت اور مقام و مرتبہ کو سمجھو اور ان کی پیروی کرو، یہ تمام صحابہ ہدایت مستقیم پر تھے"۔

(شرح السفارینی للدرۃ المضیئۃ ۲/۲۸۰)

ابوداؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے تمام بندوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو ان میں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند فرمایا اور انہیں اپنا رسول بنا کر بھیجا، پھر دوبارہ لوگوں کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو صحابہ کے دلوں کو سب سے بہتر پایا اور ان کو آپ کی رفاقت و صحبت کے لیے اور اپنے دین کی نصرت و مدد کے لیے چنا"۔

(شرح السفارینی للدرۃ المضیئۃ ۲/۲۸۰)

صحابہ کرام کی خصوصیات

صحابہ وہ تھے کہ جب اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو انہوں نے اس پر اپنے ایمان ویقین کی بات کہی، اللہ تعالیٰ نے ان کی بات نقل فرمائی کہ: "رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا" اور ان کا معاملہ یہ ہوا کہ اپنے کو پورے طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ کر دیا اور اس طرح حوالہ کر دیا کہ جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ، جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ، ان کے لیے تکلیف تکلیف نہ رہی، اور جس میں ان کی پہلے خوشی تھی

اس میں اللہ اور اس کے رسول کی خوشی نہ پائی تو اس خوشی کو فنا کر دیا، چنانچہ ایمان بالغیب، للّٰہی محبت، نبوی فدائیت، آپسی ایثار و تعاون، ایمان والوں کے لیے نہایت نرم دل اور اہل کفر و شرک پر نہایت سخت، آخرت کو پیش نظر رکھنا، لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کی فکر اور حرص کہ کس طرح لوگ سب کے سب ایک اللہ کے ہو کر رہیں اور اسلام کے سایہ عدل میں سیر کریں، کس طرح اللہ کا شوق اور جنت کی طلب پیدا ہو جائے اور اس سے آگے دنیا و مافیہا نگاہوں سے بالکل گر جائے، یہ سب صحابہ کرام کی ممتاز خصوصیات ہیں، یہی جذبہ اور حوصلہ تھا کہ جس نے صحابہ کو اپنی محبوب جگہ مدینہ منورہ اور مکہ معظّمہ میں رہنے نہ دیا اور وہ دور دور نکل گئے، وطن کو خیر آباد کہا اور کفر و شرک کی جگہوں میں جا کر ایمان کی عطر بیز ہوا چلائی، توحید و ایمان، عبادت و تقوی، اور سنت و طاعت کی حکومتیں قائم ہوئیں، اسلام دنیا کے چپہ چپہ میں پھیلتا چلا گیا اور جہاں وہ گئے وہاں اسلام اپنی زبان و ثقافت کے ساتھ گیا اور وہ عجمی ملک عربی اسلامی ملک بنا گئے، جہاں وہ خود نہیں گئے وہاں اسلام تو پہنچا، لیکن زبان و ثقافت نہیں بدلی جس کی وجہ سے مشرکانہ رسوم اور جاہلی عادات اور رسم و رواج اپنا اپنا رنگ ظاہر کرتی رہیں۔

یہ نتیجہ تھا صحابہ کرام کا اپنے نبی ﷺ سے بے پناہ عشق و محبت کا، فدائیت اور جاں نثاری کا، صحابہ کرام نے سنت نبوی کو حرزِ جاں بنا لیا تھا، ان کی پوری زندگی حیات نبوی اور سنت نبوی کا صاف و شفاف آئینہ تھی، ان کی زندگی کا کوئی بھی شعبہ سنت رسول کی نمائندگی سے خالی نہیں تھا، دشمنوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ صحابہ کرام وہ مثالی جماعت ہے جس نے سنت رسول پر عمل کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے۔

محبت و فدائیت کی چند مثالیں

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

محبت و فدائیت کی مثالیں بہت ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگی

میں جلوہ گر رہیں، خاص طور پر احد کی جنگ میں اس کی ایسی مثالیں سامنے آئیں جس کی دنیا نظیر نہیں پیش کرسکتی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ؓ نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا تو اسی کے ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ آ گیا۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ

ابودجانہ ؓ ڈھال بن کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوگئے، تیر ان پر گرتے رہے؛ لیکن وہ اسی طرح آپ پر جھکے رہے، یہاں تک کہ ان کی پیٹھ تیروں سے چھلنی ہوگئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

سعد بن ابی وقاص ؓ اسی جگہ کھڑے حضور ﷺ کے دفاع میں دشمن پر تیر چلاتے رہے، آپ ﷺ ایک ایک تیر ان کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرماتے اور ارشاد ہوتا ''ارم فداک أبی وامی'' تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں، اسی طرح تیر چلاتے رہو۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۸۰-۸۲)

حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ

قتادۃ بن النعمان ؓ کی آنکھ پر ایسی ضرب آئی کہ آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آ گئی، رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اسی جگہ کردیا، وہ آنکھ ایسی اچھی ہوئی کہ اس کی بصارت پہلی آنکھ سے بھی تیز ہوگئی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۸۲)

حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

مشرکین آپ ﷺ کی تلاش میں تھے، لیکن تقدیر الٰہی کا فیصلہ کچھ اور تھا، جب

انھوں نے آپؐ پر حملہ کیا، تقریباً دس آدمی آپؐ کے سامنے آگئے اور سب ایک ایک کر کے آپؐ پر قربان ہو گئے، پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا یہاں تک کہ ان کی سب انگلیاں زخموں سے لہولہان ہو گئیں اور ہاتھ مفلوج ہو گیا، رسول اللہ ﷺ وہیں ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے، لیکن زخموں کی وجہ سے خاصہ ضعف ہو گیا تھا اور چڑھنا دشوار ہو رہا تھا، یہ دیکھ کر حضرت طلحہ آپ ﷺ کے نیچے بیٹھ گئے اور ان کا سہارا لے کر آپؐ اس چٹان پر تشریف لے آئے، نماز کا وقت آیا تو آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۶/۲، زاد المعاد: ۳۵۰/۱)

حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ

غزوہ احد میں جب لوگ شکست کھا کر منتشر ہونے لگے تھے، انس بن النضرؓ (جو رسول اللہ ﷺ کے خادم انس بن مالکؓ کے چچا ہیں) نے اس وقت بھی شکست تسلیم نہ کی اور آگے بڑھتے رہے، سعد بن معاذؓ ان کو راستہ میں ملے اور پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ کہنے لگے: جنت کی خوشبو احد پہاڑ کی طرف سے صاف محسوس ہو رہی ہے، انس بن النضرؓ مہاجرین و انصار کے کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے اور دیکھا کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں، انھوں نے کہا: تم لوگ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے، انس بن النضر نے کہا: پھر آپ ﷺ کے بعد زندہ رہنے کا کیا فائدہ؟ اٹھو اور جس پر رسول اللہ ﷺ نے جان دی ہے، اسی پر تم جان دے دو، یہ کہہ کر آگے بڑھے، دشمن سے دو دو ہاتھ کیے اور جان دے دی، ان کے بھتیجہ انس بن مالکؓ کہتے ہیں: اس دن ہم نے ان کے جسم پر ستر زخم شمار کیے، زخموں کی کثرت سے ان کو پہچاننا ناممکن ہو رہا تھا، صرف ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک پور سے ان کو پہچانا جس پر بچپن کی نشانی تھی۔ (سیرت ابن ہشام: ۸۲/۲)

حضرت زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ

زیاد بن السکن رضی اللہ عنہ پانچ انصاریوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے ہوئے لڑ رہے تھے اور ایک ایک کر کے شہید ہوئے جا رہے تھے یہاں تک کہ یہ زخموں سے چور اور نڈھال ہو کر گر پڑے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو میرے قریب لے آؤ، لوگوں نے ان کو اٹھا کر آپ ﷺ کے سامنے لٹا دیا، آپ ﷺ نے ان کے سر کو اپنے قدم مبارک پر رکھ لیا اور اس حالت میں ان کی جان نکلی کہ ان کے رخسار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھے۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/۸۱)

حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ

عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں شدید لنگ تھا، ان کے چار صاحبزادے تھے، سب جوان تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی و سرفروشی کے ہر موقع پر حاضر بھی رہتے تھے، جب آپ ﷺ غزوہ احد کے لیے روانہ ہوئے تو عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ نے بھی چلنے کا ارادہ کر لیا، ان کے بیٹوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے رخصت رکھی ہے، اگر تشریف رکھیں تو اچھا ہے، ہم لوگ آپ کی طرف سے کافی ہیں، آپ پر جہاد فرض نہیں ہے۔

عمرو بن الجموح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے بیٹے مجھے جہاد میں شرکت سے روک رہے ہیں، اور خدا کی قسم میری آرزو ہے کہ میں بھی شہادت پاؤں اور جنت میں اسی طرح لنگڑاتا ہوا چلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اللہ نے جہاد سے تمہیں معافی دے دی ہے اور ان کے بیٹوں سے ارشاد فرمایا کہ کیا حرج ہے کہ تم ان کو جہاد میں جانے دو (وہ اپنا ارمان نکال لیں) چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں شریک ہوئے، اور شہادت کی آرزو و تمنا پوری ہوئی۔

(زاد المعاد: ۳/۲۰۸)

حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ

زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے سعد بن الربیع کی تلاش میں بھیجا اور فرمایا کہ اگر وہ نظر آ جائیں تو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت کیا ہے کہ اس وقت تمہیں کیسا محسوس ہو رہا ہے؟ کہتے ہیں کہ مقتولین کے درمیان میں ان کو تلاش کرتا پھر رہا تھا کہ ایک جگہ وہ مجھے نظر آئے، میں قریب گیا دیکھا تو آخری وقت تھا، ان کے جسم پر نیزہ، تلوار اور تیر کے ستر زخم تھے، میں نے کہا: سعد، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ مجھے بتاؤ اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سلام عرض کرنا اور کہنا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) مجھے اس وقت جنت کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہونچ گئے اور تمہارے دم میں دم رہا تو اللہ تعالی کے پاس تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہوگا، یہ کہتے ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ (زادالمعاد: ۳/ ۲۰۷)

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن جحشؓ نے غزوۂ احد کے سلسلہ میں کہا، اے اللہ تجھے تیری قسم کہ میں کل دشمن کا مقابلہ کروں وہ مجھے قتل کر دیں، پھر میرا پیٹ چاک کر دیں اور میرے ناک کان کاٹ ڈالیں پھر تو مجھ سے پوچھے کہ یہ سب کس کے لیے تھا؟ میں جواب دوں: تیرے لیے۔ (زادالمعاد: ۳/ ۲۰۸)

ہر مصیبت ہیچ ہے

مسلمان مدینہ پہنچے تو راستہ میں بنی دینار کی ایک خاتون کے مکان پر ان کا گذر

ہوا جس کے شوہر، بھائی اور باپ تینوں اس جنگ میں کام آگئے تھے، جب مسلمانوں نے ان کو یہ خبر سنائی تو انہوں نے سب سے پہلے یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی خیریت بتاؤ؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ام فلاں! الحمد للہ حضور ﷺ جیسا کہ تمہاری آرزو ہے صحیح سلامت ہیں، کہنے لگیں کہ مجھے آپؐ کو دکھاؤ، میں خود آپؐ کو دیکھنا چاہتی ہوں، لوگوں نے آپؐ کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا اور کہا کہ آپ ﷺ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۹۹/۲)

حضرت عمیر بن الحمام انصاری رضی اللہ عنہ

بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چلو بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے، عمیر بن الحمام انصاریؓ نے یہ جملہ سنا تو کہنے لگے یا رسول اللہ وہ جنت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! کہنے لگے واہ واہ! آپؐ نے فرمایا، یہ بات کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں یا رسول اللہ کوئی بات نہیں، یہ میں اس خیال سے کہہ رہا ہوں کہ شاید میر قسمت میں بھی یہ جنت ہو؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں ہاں تمہیں یہ جنت نصیب ہوگی، اس کے بعد انہوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے، پھر اچانک کہنے لگے کہ اگر میں نے ان کھجوروں کے ختم ہونے کا انتظار کیا تو بہت دیر لگا دوں گا، اتنا جینے کی تاب نہیں، یہ کہہ کر جو کھجوریں رہ گئی تھیں پھینک دیں اور میدان جنگ میں کود پڑے اور شہادت پائی۔

(صحیح مسلم، سیرت ابن کثیر: ۴۲۱/۲، زاد المعاد: ۳۴۵/۱)

حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ

زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہ کو حرم سے باہر قتل کے لیے لے جایا گیا تو اس وقت قریش کے بہت سے لوگ جمع تھے، جن میں ابوسفیان بھی تھے، انھوں نے حضرت زید سے

کہا: زید میں تم سے قسم دلا کر پوچھتا ہوں کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم آرام سے اپنے گھر والوں میں ہو اور تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھے! ابوسفیان نے اس پر کہا کہ میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھی کرتے ہیں (اس کے بعد ان کو شہید کر دیا گیا)۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۱۷۴)

حضرت مالک خدری رضی اللہ عنہ

حضرت مالک خدریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کو منہ سے صاف کیا اور خون و پیپ منہ کے اندر کرلیا، آپ نے کہا: اس کو تھوک دو، انہوں نے کہا یا رسول، نہیں، میں اسے ہرگز نہیں تھوکوں گا۔ (زادالمعاد: ۲/ ۱۳۶)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

فتح مکہ سے پہلے مصالحت کی کوشش کے سلسلہ میں ابوسفیان بن حرب بن ربیعہ مدینہ پہنچے اور اپنی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ کے پاس آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے لگے، اس پر ان کی صاحبزادی نے فوراً بستر کو پلٹ دیا، اس پر وہ تعجب سے بولے کہ بیٹی! یہ نہیں سمجھ پایا کہ تم نے اس بستر کو میرے لیے مناسب نہیں سمجھا، یا یہ کہ تم نے مجھ کو اس بستر کے لائق نہیں سمجھا، انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ شرک کرنے والے ہیں، لہٰذا شرک میں گندگی ہے، انہوں نے کہا کہ بخدا!! تم میں مجھ سے رخصت ہونے کے بعد خرابی آگئی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۳۹۶)

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مجمع میں دعوت کی نیت سے کھڑے ہوئے اور اللہ

اور اس کے رسول کی دعوت دینی شروع کی، تو مشرکین غیظ وغضب کے عالم میں ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو بہت زیادہ زدوکوب کیا، عتبہ بن ربیعہ دو پھٹے پرانے جوتوں سے ان کے چہرہ کو اس طرح مارتا رہا کہ بعد میں ان کے چہرے کے خدوخال پہچانے نہ جاتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے لوگ بنوتیم حضرت ابوبکر کو اس حالت میں اٹھا کر لے گئے کہ ان کو ان کی موت میں کوئی شبہ نہ تھا، دن ڈھلے آپ کو ہوش آیا اور پہلا لفظ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیریت سے ہیں؟ ان لوگوں نے اس پر ان کو برا بھلا کہا (کہ اس حال میں بھی ان کو اپنے سے زیادہ ان کی فکر ہے جن کی وجہ سے یہ ساری پریشانی اٹھانی پڑی) اسی وقت ام جمیل جو اسلام لا چکی تھیں ان سے قریب ہوئیں تو انہوں نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا، انہوں نے کہا آپ کی والدہ قریب کھڑی ہیں سن لیں گی، انہوں نے کہا میری اللہ سے نذر ہے کہ میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا، نہ پیوں گا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر نہ ہو جاؤں، یہ سن کر وہ دونوں وہاں رک گئیں، جب لوگوں کی آمدورفت بند ہوئی اور سناٹا ہوا، تو وہ دونوں حضرت ابوبکرؓ کو سہارا دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں، ان کی یہ حالت دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ کے لیے بہت دعاء کی اور ان کو اسلام لانے پر آمادہ کیا اور وہ اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۲۹۳-۲۹۴، سیرت ابن کثیر: ۱/ ۴۳۹-۴۴۱)

روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ چلنے میں کبھی آپ کے آگے رہتے کبھی پیچھے چلنے لگتے، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو محسوس فرمایا اور کہا کہ ابوبکر کیا بات ہے، کبھی تم میرے پیچھے چلتے ہو اور کبھی آگے؟ انہوں نے کہا کہ یا رسول مجھے تعاقب کا خیال آتا ہے تو میں پیچھے چلنے لگتا ہوں، پھر گھات کا خطرہ ہوتا ہے تو آگے آجاتا ہوں۔ (البدایہ والنھایہ لابن کثیر: ۳/ ۱۸۰، منقول از

بیہقی بروایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ)

جب دونوں حضرات غار پہنچ گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یارسول اللہ آپ ذرا توقف فرمائیں، میں غار کو دیکھ بھال لوں اور صاف کرلوں، اس کے بعد وہ غار کے اندر گئے اور اس کو صاف کرکے اور سوراخ وغیرہ بند کرکے باہر آئے، اس وقت ان کو یاد آیا کہ ایک بل باقی رہ گیا ہے جس کو وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکے، پھر انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ آپ ذرا اور توقف فرمائیں، میں اس کو دیکھ لوں، پھر اس کے اندر گئے اور جب اس کی طرف سے اطمینان ہوگیا تو کہا یارسول اللہ اب آپ اندر تر آئیں، چنانچہ آپ اندر تشریف لے آئے۔ (البدایہ والنھایہ: ۳/۱۸۰)

مکمل اطاعت وفرمانبرداری

ہر حال میں اور ہر امر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور اطاعت شعاری وجاںنثاری میں صحابہ کرام اس مقام کو پہنچ گئے تھے جس کی نظیر نہ اس سے پہلے ملی اور نہ بعد میں، چنانچہ کیسے بھی حالات ہوتے صحابہ اپنے رسول کی اطاعت وانقیاد میں ادنی بھی تاخیر اور کسی بھی طرح کا کوئی ٹال مٹول نہ کرتے۔

معرکہ بدر سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قریش کا زبردست لشکر روانہ ہوچکا ہے تو آپؐ نے اپنے اصحاب کرامؓ سے مشورہ فرمایا، لیکن اس وقت آپؐ کا روئے سخن انصار کی طرف تھا، اس لیے کہ انہوں نے اسی بات پر بیعت کی تھی کہ وہ مدینہ میں آپؐ کی پوری حفاظت اور مدد کریں گے، جب آپؐ نے مدینہ سے روانگی کا قصد فرمایا تو آپؐ نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ اس وقت انصار کیا سوچ رہے ہیں، سب سے پہلے مہاجرین نے اپنی بات کہی اور بہت اچھی طرح آپؐ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا، آپؐ نے دوبارہ مشورہ کیا، مہاجرین نے پھر آپؐ کی تائید کی، پھر جب آپؐ نے تیسری بار دریافت کیا

تو انصار کو احساس ہوا کہ آپ ؐ کا روئے سخن انصار کی طرف ہے، چنانچہ سعد بن معاذ نے فوراً اس کا جواب دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ شاید آپ ؐ کا روئے سخن ہم لوگوں کی طرف ہے اور آپ ؐ ہماری بات سننا چاہتے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ شاید آپ ؐ کو یہ خیال ہو رہا ہے کہ انصار نے صرف اپنے وطن اور اپنی سرزمین میں آپ ؐ کی نصرت کا ذمہ لیا ہے، میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور ان کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ ؐ جہاں چاہیں روانہ ہوں، جس سے چاہیں تعلق فرمائیں اور جس سے چاہے ختم کریں، ہمارے مال و دولت میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور ہم کو جتنا پسند ہو عطا فرمائیں، اس لیے کہ جو کچھ آپ ؐ لے لیں گے وہ ہمیں اس سے کہیں زیادہ پسند ہوگا جو آپ ؐ چھوڑیں گے، آپ ؐ کوئی حکم دیں گے تو ہماری رائے آپ ؐ کے تابع فرمان ہوگی، خدا کی قسم اگر آپ ؐ چلنا شروع کریں یہاں تک ''برک غمدان'' تک پہنچ جائیں تب بھی ہم آپ ؐ کے ساتھ چلتے رہیں گے اور خدا کی قسم آپ ؐ سمندر میں داخل ہو جائیں گے تو ہم بھی آپ ؐ کے ساتھ اس میں کود جائیں گے۔

حضرت مقداد ؓ نے کہا: ہم آپ ؐ سے ایسا نہ کہیں گے جیسا موسیٰ کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا ''فاذهب أنت وربك فقاتلا إنا ههنا قاعدون'' (جاؤ تم اور تمہارا رب دونوں مل کر جنگ کرو، ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے) ہم تو آپ ؐ کے دائیں سے، بائیں سے، سامنے سے، پیچھے سے دشمنوں کا سامنا کریں گے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو روئے انور خوشی سے دمکنے لگا اور آپ ؐ کو اپنے صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بڑی مسرت ہوئی، آپ ؐ نے فرمایا: ''سیروا وأبشروا'' چلو اور بشارت حاصل کرو۔

(زاد المعاد: ۳؍۱۷۳، سیرت ابن ہشام: ۱؍۶۱۴، بخاری، مسلم فی باب غزوۃ بدر)

اطاعت اور تعمیل حکم کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو شراب کی حرمت کے حکم کے وقت پیش آیا، حضرت ابو بریدہ ؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ ہم مجلس میں بیٹھے شراب پی رہے تھے کہ میں اٹھا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دوں اور سلام

کروں، ادھر شراب کی حرمت نازل ہو چکی تھی

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (سورہ مائدہ:۹۰-۹۱)

اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں، سو ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کر دے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو کیا اب تم رک جاؤ گے؟

میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور میں نے یہ آیت ''هَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ'' (کیا تم رک جاؤ گے) تک پڑھ کر سنادی، کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں ساغر تھا، کچھ پیا تھا اور کچھ ساغر میں بچ رہا تھا، جو شراب ہونٹوں میں پہنچ گئی تھی وہ فوراً تھوک دی گئی۔ (تفسیر ابن جریر طبری، جلد ۷)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ

صحابہ کرامؓ کی اطاعت و تابعداری کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین شخصوں سے گفتگو ممنوع قرار دی تھی جو غزوہ تبوک نہ جا سکے تھے، تو لوگوں نے آپؐ کی بات مانی اور مدینہ منورہ ان تینوں کے لیے شہر خموشاں بن گیا جہاں کوئی بات کرنے والا اور بات کا جواب دینے والا نہ تھا، حالانکہ وہ سب بھائی بھائی تھے، ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں ان تینوں حضرات کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا، بات کرنا تو در کنار، کسی نے بھی ان کی طرف التفات تک نہ کیا اور

پورا مدینہ ان کے لیے اجنبی بن گیا، کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:۔

"اب رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا کہ ہم تینوں سے کوئی بات نہ کرے تو لوگ کنارہ کش ہو گئے اور ایسا رخ بدلا گویا کبھی جان پہچان تھی ہی نہیں، یہاں تک کہ میرا دل تنگ ہو گیا اور زمین وہ زمین ہی معلوم نہیں ہوتی تھی جس کو میں پہچانتا تھا، اس حالت میں ہم پر پچاس راتیں گزر گئیں، میرے دونوں ساتھی تو اپنے گھروں میں تھک کر بیٹھ گئے اور روتے رہے، لیکن میں جوان آدمی تھا، نکلتا تھا، نماز میں شریک ہوتا تھا، بازاروں میں پھرتا تھا، لیکن ہم سے کوئی بات نہ کرتا تھا، میں مسجد میں آتا تھا، نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ جب اپنی مجلس میں تشریف رکھتے میں سلام کرتا اور ان کو دیکھ کر دل میں کہتا کیا آپ ﷺ کے ہونٹوں کو جواب دینے میں حرکت ہوئی؟ پھر میں آپ ﷺ کے قریب نماز پڑھتا اور چھپی نظر سے آپ ﷺ کو دیکھتا، جب نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ مجھ کو دیکھتے اور جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ مجھ سے بے رخی کرتے۔

مسلمانوں کی بے رخی کو مدت ہو گئی تھی، ایک دن میں ابو قتادہؓ کی طرف گیا وہ میرے چچا زاد بھائی ہوتے تھے اور مجھے بہت محبوب تھے، میں ان کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر پہنچا اور ان کو سلام کیا، واللہ انہوں نے میرے سلام کا جواب تک نہ دیا، میں نے کہا: اے ابو قتادہؓ! میں تم سے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نہیں جانتے ہو کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت ہے، وہ خاموش رہے، میں نے دوبارہ قسم دی، مگر وہ خاموش رہے، پھر میں نے ان کو قسم دی، انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، اس وقت میری دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور میں چلا آیا"۔ (بخاری و مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت و تعلق کا یہ حال تھا کہ ہر ایک پر آپ ﷺ کو ترجیح دیتے تھے، عین اس مقاطعہ کے زمانہ میں غسان کا بادشاہ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور اپنے دربار کی پیش کش کرتا ہے، اس بے رخی اور عتاب کے زمانہ میں یہ حقیقتاً سخت آزمائش تھی، لیکن وہ رد کر دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں:۔

''میں مدینہ کے بازار میں پھر رہا تھا کہ ایک نبطی شام کے نبطیوں میں سے تجارت کا غلہ لے کر آیا، کہتا تھا کہ کوئی شخص مجھے کعب بن مالک ؓ کا پتہ دے سکتا ہے؟ لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے، وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں نے اس کو پڑھا، اس میں لکھا تھا'' مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے آقا تم سے ناراض ہیں، تم ذلت و ناقدری کی جگہ رہنے پر مجبور نہیں ہو، تم ہمارے پاس آؤ، ہم تمہاری غمخواری کریں گے''۔ جب میں اس کو پڑھ چکا تو میرے رنج کی کوئی حد نہ رہی، میں نے کہا یہ اور بڑی مصیبت ہے اور میں نے اس خط کو تنور میں جھونک دیا''۔ (متفق علیہ)

حضرت عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ابن جریر طبری ابن زید سے روایت کرتے ہیں کہ

عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ ؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: دیکھتے ہو تمہارے والد کیا کہتے ہیں،؟ وہ بولے یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، وہ کیا کہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہتے ہیں کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا، وہ بولے: خدا کی قسم یا رسول اللہ ﷺ! انہوں نے سچ کہا، بخدا آپ معزز ہیں اور وہ ذلیل ہیں، یا رسول اللہ ﷺ آپ مدینہ تشریف لائیے اور اہل یثرب کو علم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمانبردار نہیں، اگر اللہ و رسول کی مرضی یہ ہے کہ میں اس کا سر

لے آؤں تو میں حاضر ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

جب لوگ مدینہ پہنچے تو عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی مدینہ کے دروازے پر تلوار لے کر اپنے باپ کے انتظار میں کھڑے ہو گئے، جب ان کے والد آئے، تو بولے:

''تم ہی کہتے تھے کہ اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا؟ تم کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ معزز کون ہے؟، خدا کی قسم! تم مدینہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر نہیں رہ سکتے''۔

عبداللہ بن اُبی نے کہا: ''اے خزرج کے لوگو! دیکھو میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے، اے خزرج کے لوگو! میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے''۔

وہ بولے: ''خدا کی قسم، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا''۔

لوگ اکٹھا ہو گئے اور ان کو سمجھایا، انہوں نے کہا: یہ اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا، لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ کو خبر دی، آپؐ نے فرمایا: جاؤ اور عبداللہ سے کہدو کہ آنے دو۔ لوگ واپس آئے، انہوں نے کہا: ہاں! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت آ گئی ہے، وہ مدینہ میں داخل ہو سکتا ہے''۔ (تفسیر طبری: ۸)

عروہ بن مسعود ثقفی کا بیان

عروہ بن مسعود ثقفی نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کی شان وشوکت بھی دیکھی ہے، لیکن خدا کی قسم میں نے ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی عزت اور تعظیم کرتے ہوں جتنی محمد ﷺ کے ساتھی

محمد ﷺ کی کرتے ہیں، جب بھی وہ تھوکتے ہیں تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا ہے اور اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے اور جب وہ ان کو کوئی حکم فرماتے ہیں تو وہ سب ان کے حکم پر لپکتے ہیں اور جب وہ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی پر لڑتے لڑتے رہ جاتے ہیں اور جب بات کرتے ہیں تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں، وہ لوگ فرط تعظیم وادب سے آپ سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ (زاد المعاد: ۳؍۹۳)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

مکہ سے ہجرت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام فرمایا، ابوایوب انصاریؓ نے آپ ﷺ کی ضیافت، میزبانی، خاطر مدارات اور ادب وتعظیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، بالائی منزل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند ہو کر رہنا ان کو گوارا نہ ہوا، وہ نیچے آ گئے اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ﷺ اوپر تشریف رکھیں، وہ اور ان کے گھر والے نیچے رہیں گے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابوایوب ہم کو اور ہمارے ملنے والوں کو اسی میں زیادہ راحت ہوگی کہ ہم نیچے رہیں۔

ابوایوب انصاریؓ کچھ خوش حال لوگوں میں نہ تھے، لیکن آج اپنے گھر میں آپ ﷺ کے قیام سے ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی اور اس سرفرازی اور عزت جو اللہ نے ان کو عطا کی تھی، کے شکر ادا کرنے سے ان کی زبان قاصر تھی، محبت، خدمت وراحت رسانی کے آداب خود سکھا دیتی ہے، ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے لیے رات کا کھانا تیار کر کے بھیجتے، اگر آپ کا پس خوردہ واپس آتا تو میں اور ام ایوب اس طرف سے جہاں سے آپ نے کھایا ہوتا، بچا ہوا کھاتے اور برکت حاصل کرتے، حضور ﷺ نیچے کی

منزل میں تشریف رکھتے تھے اور ہم لوگ اوپر تھے، ایک مرتبہ مٹکا جس میں ہم پانی رکھتے تھے، ٹوٹ گیا، میں نے اور ام ایوب نے اپنی چادر سے جس کے علاوہ ہمارے پاس اوڑھنے کے لیے کی کوئی چیز نہ تھی، اس پانی کو خشک کیا کہ کہیں خدانخواستہ نیچے نہ ٹپکنے لگے اور آپ کو تکلیف ہو"۔ (سیرت ابن اسحاق بروایت ابوایوب انصاریؓ، ابن کثیر: ۲/۲۷۷)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ صحابہ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، چنانچہ عراق اور پورا ملک فارس (ایران) حضرت سعد بن اُبی وقاص رضی اللہ عنہ کے زیر قیادت فتح ہوا اور ایسی تاریخ رقم ہوئی جس کا تصور بھی محال تھا، جنگی مہارت اور جنگی فنون سے واقفیت اور اقدامی صلاحیت کے باوجود افتراق اور تفرقہ کو بہت ناپسند کرتے اور مسلمانوں میں تلوار اٹھانے اور تیر نکالنے پر کسی قیمت میں تیار نہ ہوئے، اسی وجہ سے جب حضرت علی بن اُبی طالب رضی اللہ عنہ کے دور میں خانہ جنگی کی صورت حال پیدا ہوئی تو بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر کر لی تھی، اور جنگ میں غیر جانبدار رہے، اور آب زر سے لکھی جانے والی بات کہی جو تاریخ میں محفوظ ہوگئی ہے کہ مجھے ایسی تلوار لا کر دے دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو وہ قتل کر دے، اور اگر وہ (وار) مومن پر ہو تو کوئی اثر نہ کرے، (معارف الحدیث ۸/۴۳۶)۔

صحابہ کرام کا ایمان ویقین اور آزمائش

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی یہ سوال نہیں کیا کہ آپ معجزات بھی دکھائیں اور جب جب معجزہ ظاہر ہوا ایک لمحہ کے لیے بھی انہیں شک وشبہ اور تردد نہ رہا، جیسا کہ اسراء اور معراج کا واقعہ ہے۔ کفار بڑے خوش ہو رہے تھے کہ اب صحابہ کیا کہیں گے،

لیکن ان کے اس جواب نے قریش کو انگشت بدنداں کر دیا کہ جب ہم اس پر یقین کر چکے کہ جبرئیل علیہ السلام چند لمحات میں وحی لے کر آسمان سے زمین پر اتر آتے ہیں اور پھر اوپر چلے جاتے ہیں، تو ہم کیوں اپنے نبی کے اس اعزاز پر یقین نہ کریں جو اللہ نے ان کو ایک ہی رات میں عطا کیا۔

صحابہ کرامؓ کو سخت ترین آزمائش اور ابتلاء سے مختلف موقعوں پر گزرنا پڑا، خود قرآن کریم نے اجتماعی طور پر ان کے امتحان سے گزرنے اور فائز المرام ہونے کا تذکرہ کیا ہے، جیسا کہ سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے تذکرہ فرمایا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ (سورہ احزاب: ۹-۱۱)

مومنو! خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جو (اس نے) تم پر (اس وقت کی) جب فوجیں تم پر (حملہ کرنے کو) آئیں تو ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر (نازل کیے) جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور جو کام تم کرتے ہو خدا ان کو دیکھ رہا ہے، جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے، وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے۔

لیکن ان کی استقامت، ثبات قدمی اور غیر متزلزل ایمان ویقین پر اللہ نے جو مدد پہنچائی اس کا بھی اللہ نے ذکر کیا ہے اور اس پر صحابہ کو جو مسرت ہوئی اسے بھی اللہ نے

بیان فرمایا، ارشاد ربانی ہے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ڮ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (سورہ احزاب: ۲۲۔۲۴)

اور جب ایمان والوں نے لشکر دیکھے تو بولے اسی کا تو ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اور ان کا ایمان اور جذبہ طاعت اور بڑھ گیا، ان ہی ایمان والوں میں وہ لوگ بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا وہ پورا کر دکھایا تو بعضوں نے اپنا ذمہ پورا کر دیا اور بعض انتظار میں ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے، تاکہ اللہ تعالی سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دیدے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

صلح حدیبیہ اور صحابہ کرام کی اطاعت وتابعداری

حدیبیہ کا معاملہ بھی غیر معمولی نوعیت کا ہے، صحابہ جو دین، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے وہ اپنے مزاج وطبیعت کے بالکل برخلاف صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وقیادت میں صلح کے لیے تیار ہوئے۔

ابھی صلح کی بات ہو ہی رہی تھی کہ اچانک خود (قریش کے نمائندہ) سہیل ہی کے بیٹے ابوجندل بن سہیل بیڑیوں میں گرتے پڑتے پہنچے، وہ مکہ کے نشیب سے آئے تھے اور کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو مسلمانوں تک پہنچا دیا تھا، سہیل نے اپنے بیٹے کے اس طرح

پہنچ جانے کو دیکھا تو کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاہدہ کے تحت یہ پہلا شخص ہے جس کی واپسی کا مطالبہ میں آپ ﷺ سے کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ابھی تو ہم نے معاہدہ کی تحریر مکمل بھی نہیں کی، اس نے جواب دیا: اگر ایسا ہے تو پھر میں کسی بات پر آپ ﷺ سے معاملہ کرنے پر تیار نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے کہنے پر (یعنی میری ذاتی فرمائش پر ہی) انھیں اجازت دے دو، اس نے کہا میں آپ ﷺ کے کہنے پر بھی اجازت نہیں دے سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا جو تمہارا جی چاہے کرو، اس نے کہا: مجھے کچھ نہیں کرنا ہے، یہ سن کر ابو جندل بولے: مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں اور پھر مشرکوں کو واپس کیا جا رہا ہوں، کیا تم لوگ دیکھتے نہیں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟۔

(زاد المعاد: ۳/ ۲۹۴)

صورت حال کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی نمائندہ کے مطالبہ کی بنا پر ان کو واپس فرما دیا اور ابو جندل نے بھی اپنے محبوب نبی ﷺ کی بات مان لی۔ یہ اطاعت و انقیاد اسلام کے فروغ کے لیے بڑی مؤثر ثابت ہوئی اور اس کثرت سے لوگ ایمان لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے جو اب تک کے ۱۸-۱۹ سال کے عرصہ میں نہیں لا سکے تھے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح نامہ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ منیٰ میں قربانی کرنے کے لیے لائے ہوئے جانوروں کو اب یہیں ذبح کر دو، مسلمانوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیسے ہو رہا ہے اور کیا ہو رہا ہے، اس لیے وہ نہیں سمجھ پائے کہ حضور ﷺ کے اس فرمان کا مطلب کچھ اور تو نہیں ہے، اس لیے کہ قربانی کے جانور مکہ پہنچنے سے پہلے ذبح کرنے کا کوئی دستور نہیں رہا ہے، اسی لیے وہ قربانی کرنے کیلئے آگے نہیں بڑھے، حضور ﷺ کو یہ محسوس کر کے کہ شاید مسلمان بات نہیں مان رہے ہیں، بڑی فکر اور ملال ہوا کہ کیا مسلمان اپنے نبی کا حکم ماننے سے گریز کر رہے ہیں، آپ

ﷺ اسی احساس ملال کیساتھ اپنے خیمہ میں داخل ہوئے، آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ آئی تھیں، آپ نے ان سے اپنے اس احساس کا تذکرہ کیا، انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ نافرمانی نہیں ہے، یہ ذہن کے شدید تاثر کی وجہ سے بات نہ سمجھ پانے کی وجہ سے ہوگا، لہٰذا آپ ﷺ خود قربانی شروع کریں، تو لوگوں کا ذہن کھل جائے گا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ قربانی کے جانوروں کی طرف متوجہ ہوئے اوران کو جاکر ذبح کرنا شروع کردیا اوراس کے بعد حلق کرایا، جب انھوں نے آپ ﷺ کو قربانی کرتے اور حلق کراتے دیکھا تو سب اسی وقت تیزی سے کھڑے ہوگئے اور آپ ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے قربانی اور حلق میں مشغول ہوگئے کہ نبی کے عمل کے خلاف عمل نہیں کرنا ہے۔

(زادالمعاد: ۳/۲۹۵)

فضالہ بن عمیرؓ اور عمرو بن العاصؓ کا واقعہ

فضالہ بن عمیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں طواف فرمارہے تھے، میں برے ارادے سے آیا، جب قریب ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: فضالہ! کہو کیا سوچ رہے ہو؟، میں نے کہا: کچھ نہیں، اللہ کا ذکر کررہا تھا، آپ ﷺ ہنسے اور کہا فضالہ! اللہ سے مغفرت چاہو، پھر آپ ﷺ نے دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، میرا دل ٹھہر گیا، خدا کی قسم ابھی آپ ﷺ نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا، کہ اللہ کی مخلوق میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی چیز میری نظر میں محبوب نہیں رہی، میں واپس گیا، تو وہ عورت ملی جس سے میں باتیں کیا کرتا تھا اس نے کہا: آؤ فضالہ، باتیں کریں، میں نے کہا: اسلام کے بعد یہ نہیں ہوسکتا۔ (زادالمعاد)

حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ بیعت سے پہلے میری یہ حالت تھی کہ میری نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ مبغوض ہستی دنیا میں کوئی نہیں تھی، اگر خدانخواستہ اس وقت مجھے موقع مل جاتا، تو اپنی عاقبت ضرور خراب کرلیتا، لیکن بیعت کے بعد میری نظر میں آپ ﷺ سے زیادہ محبوب

محترم ذات دنیا کے پردے میں کوئی نہ تھی، یہاں تک کہ میں نظر بھر کر آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا تھا، اگر مجھ سے کوئی آپ ﷺ کا حلیہ پوچھتا تو واللہ میں آپ ﷺ کا حلیہ مبارک نہیں بتلا سکتا تھا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو نظر بھر کر دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہوتی تھی (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

حضرات انصار سے موثر خطاب

غزوہ حنین کے مال غنیمت میں قریش کے نومسلم صحابہ کو زیادہ حصہ دیے جانے پر بعض انصاریوں کو بے چینی ہوئی، دراصل یہ بے چینی اس لیے ہوئی کہ کہیں ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق کم تو نہیں ہو رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں کچھ باتیں بھی آپس میں انصار کے درمیان ہوئیں، آپ ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرات انصار کو جمع کرایا اور ان کے آپ ﷺ پر شبہ کرنے پر کوئی ناگواری ظاہر نہیں فرمائی، بلکہ بڑی دلداری اور محبت کے اسلوب میں اپنی بات کی وضاحت فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنی بلیغ اور موثر وضاحت میں کہا کہ

> کیا ایسا نہیں ہے کہ میں آپ لوگوں کے پاس آیا اور حالت یہ تھی کہ آپ سب لوگ راستہ سے بھٹکے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ آپ کو راستہ دکھلایا اور آپ لوگ مالی تقویت کے معاملہ میں دوسروں کے دست نگر تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ آپ لوگوں کی یہ محتاجی ختم کی اور آپ ایک دوسرے کے دشمن بنے ہوئے تھے، اللہ نے آپ کے دلوں میں آپس کی الفت پیدا کی، یہ سُن کر حضرات انصار نے کہا کہ واقعی اللہ اور اس کے رسول کا بڑا احسان ہے اور وہ برتر ہیں، پھر آپؐ نے فرمایا کہ اے انصار بھائیو! کیا تم مجھ سے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہتے، انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ہم آپ ﷺ کو کیا جواب دے سکتے ہیں، احسان وکرم سب اللہ اور رسول ہی کا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بخدا تم اگر چاہو تو تم یہ کہہ سکتے ہو اور تم یہ کہو گے تو سچ کہو گے اور میں

تمہاری تصدیق بھی کروں گا کہ آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو جھٹلایا جا چکا تھا، اس وقت ہم نے آپ کی تصدیق کی، لوگوں نے آپ کو چھوڑ دیا تھا اس وقت ہم نے آپ کی مدد کی اور آپ اپنی جگہ سے نکالے ہوئے تھے ہم نے آپ کو جگہ دی اور آپ دوسروں کے سہارے کے محتاج تھے، ہم نے آپ کے ساتھ ہمدردی کی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے انصار بھائیو! کیا تمہارے دلوں میں میرے متعلق شکایت پیدا ہوئی اور یہ شکایت دنیا کی کچھ تھوڑی سی مزیدار چیز کے سلسلہ میں ہوئی کہ جس کو دے کر میں نے کچھ لوگوں کو مانوس کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اسلام لے آئیں اور میں نے تم کو تمہارے اسلام کے سہارے کے سپرد کر دیا، اے انصار بھائیو! کیا تم اس پر راضی اور خوش نہیں کہ دیگر لوگ یہاں سے بکریاں اور اونٹ لے لے کر لوٹیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر اپنے گھروں کی طرف لوٹو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے تم جو لے کر لوٹو گے یقیناً اس سے بہتر ہے جس کو لے کر یہ لوگ لوٹیں گے، میں تو اگر ہجرت کرنے کا عمل ضروری نہ ہوتا تو انصار ہی کے اندر کا شخص ہوتا اور میرا طرز عمل تو یہ ہے کہ لوگ کسی ایک گھاٹی یا وادی میں چلیں اور انصار کسی دوسری گھاٹی اور وادی میں چلیں تو میں انصار ہی والی گھاٹی اور وادی میں چلوں گا، انصار تو شعار ہیں (یعنی اس لباس کی طرح ہیں جو ہر وقت جسم سے لگا رہتا ہے) اور دیگر لوگ اوپری کپڑوں کی طرح ہیں (یعنی ایسے کپڑے جن کی ضرورت ہر وقت نہیں پڑتی)۔

پھر آپ نے اس دعاء پر خطاب پورا کیا کہ

اے اللہ انصار پر رحم فرما اور انصار کی اولاد پر رحم فرما اور انصار کی اولاد کی اولاد پر رحم فرما۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ سننا تھا کہ لوگ رونے لگے اور اتنا روئے کہ داڑھیاں ان کی آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انہوں نے کہا کہ ہم بالکل راضی

اورخوش ہیں کہ ہمارے حصہ میں اللہ کے رسول آئیں، اس طرح ہم زیادہ فائدے میں ہوں گے''۔ (سیرت ابن ہشام: ۲؍۴۹۹، صحیح بخاری، باب غزوۃ الطائف)

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی تنفیذ

صحابہؓ کے لیے اطاعت وانقیاد کا امتحان اس وقت بھی کم نہ تھا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کمسن اور غلام زادہ صحابی حضرت اسامہ بن زیدؓ کو امیر بنا کر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے حضرات کو بھی ان کے تابع کر دیا، سارے صحابہ نے بسر وچشم امارت تسلیم کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارتحال فرمانے کا سانحۂ عظیم پیش آ گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سارے کاموں پر اس کام کو ترجیح دی اور جیش اسامہ کو اسی طرح روانہ کیا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا۔ اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین وکذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے، لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادۂ نبوی اور حکم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم معرض التوا میں پڑ جائے اور جو پرچم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے روم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا اس کو دوسری جانب حرکت دی جائے، چنانچہ آپؓ نے برہم ہو کر فرمایا:

''خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا''۔

چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ تمام وہ لوگ جو لشکر اسامہ میں شامل تھے، روانگی کی تیاری کریں اور مدینہ کے باہر لشکر گاہ مقام ''جرف'' میں جمع ہو جائیں، جب تمام لشکر باہر جمع ہو گیا تو حضرت اسامہؓ بن زید نے حضرت عمر فاروقؓ کو جو لشکر میں شامل تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بڑے بڑے آدمی سب میرے ساتھ ہیں، آپ ان کو واپس بلا لیں اور اپنے پاس رکھیں کیونکہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ مشرکین

حملہ کر کے آپ کو اور مسلمانوں کو اذیت پہنچائیں، حضرت عمرؓ لشکر گاہ سے سالار لشکر کا پیغام لے کے جب روانہ ہونے لگے تو انصار نے بھی ایک پیغام حضرت عمرؓ کے ذریعہ خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ آپ اس لشکر کا سردار کوئی ایسا شخص مقرر فرمائیں جو اسامہؓ سے زیادہ عمر کا ہو، حضرت عمرؓ نے آکر اول حضرت اسامہؓ کا پیغام عرض کیا، تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ

> اس لشکر کے روانہ کرنے سے اگر تمام بستی خالی ہو جائے اور میں تن تنہا رہ جاؤں اور درندے مجھ کو اٹھا کر لے جائیں، تب بھی اس لشکر کی روانگی ملتوی نہیں ہوسکتی، پھر انصار کا پیغام سن کر فرمایا: اے ابن خطاب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو اس لشکر کا سپہ سالار بنایا اور تم مجھ سے ان کو معزول کرنے کی بات کہہ رہے ہو؟۔ (الکامل لابن الاثیر، ۲؍۱۳۷-۱۳۸)

قدسی جماعت

رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا اعجاز صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے، یہ قدسی جماعت اسلام کا معجزہ ہے اور ساری انسانی خصوصیات اس مجموعہ میں سمٹ کر آگئی تھیں، ان کی پوری زندگی اللہ کے لیے ہوئی، ان کی دوستی، دشمنی، ان کا سلوک اور ان کا لین دین سب اللہ کے لیے تھا، انبیاء اور رسولوں کے بعد کوئی جماعت اگر سب سے بہتر ہوسکتی ہے تو وہ یہی صحابہ تھے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جنہوں نے اس بڑی تعداد میں حجۃ الوداع میں عرفات میں جمع ہو کر اپنی محبت وفدائیت اور نبوی مشن سے تاحیات وابستگی کا یقین دلایا تھا، ایمان ان کے دلوں میں راسخ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب خلفائے راشدین ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کی باگ ڈور سنبھالی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں ان کے ذریعہ پوری ہوئیں، قیصر

وکسریٰ کا راج ختم ہوا اور اسلام کا روم وایران، مصروشام میں بول بالا ہوا اور ملک فتح ہوتے چلے گئے، صحابہ کو اللہ نے جو فضیلت وتفوق عطا فرمایا اس میں ان کا قیامت تک کوئی ہم سر نہ ہو سکے گا، جو ان کے اقدامات اور فیصلوں پر آج اعتراض کرتا ہے، یا ان کی نیتوں پر شبہ کرتا ہے، تو دراصل اس کو ان کی حسن تربیت پر شبہ ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کامل اور موٴثر نہیں تو پھر کس کی تربیت اپنا رنگ دکھائے گی؟ صحابہ کرام انسانوں کا عطر اور خلاصہ اور انسانی رفعت وبلندی کی آخری چوٹی پر فائز تھے اور انسانی اخلاق وصفات، عادات واطوار، محاسن وفضائل اور انسانی شرافت وکرامت میں اس بلند مقام پر فائز تھے، جس کو نوع انسانی کے بڑے بڑے عقلاء اپنے تخیل میں بھی نہیں لا سکتے۔ شیخ علی طنطاویؒ نے لکھا ہے:۔

> ''یہی وہ اسلام ہے جس کا آغاز جاہل، ان پڑھ، منتشر اور آپس میں دست وگریباں بدو عرب میں ہوا، اسلام نے انہی سے ایسا مجموعہ تیار کیا کہ انسانی تاریخ نے اس سے زیادہ متوازن ومکمل مجموعہ کمالات نہیں دیکھا، اسلام کی روح مسلمانوں کی روح میں رچ بس گئی اور ان کے دل ودماغ اور اعصاب پر چھائی گئی، دنیا کی محبت، اس کی حرص ولالچ، خیانت، جھوٹ جیسے اخلاق ذمیمہ سے ان کو پاک کر دیا اور ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو انسانوں کا عطر وخلاصہ اور انسانی بلندی کی بلندترین چوٹی پر فائز تھے، یہ دین کے ایسے غلام بن گئے جو نہ اپنے مال کا مالک ہے، نہ اپنی جان کا، جو مالک کی مرضی اور اجازت کے بغیر ادنی سے ادنی تصرف بھی نہیں کر سکتا، ان لوگوں کی صلح وجنگ، دشمنی ودوستی، خوشی وناراضگی، عطا ومحرومی اور صلہ رحمی وقطع رحمی سب اللہ کے حکم کے تابع بن چکی تھی، جو کچھ بھی کرتے اس کے حکم کے موافق کرتے، شہوات اور نفسانیت کا خاتمہ ہو گیا تھا اور خواہشات اور خودسری سے مکمل طور پر دستبردار ہو گئے تھے

اوراب صرف خدا کی بندگی اور دین کی رہبری و دعوت تھی''۔

(اُبوبکر الصدیق، از: علی طنطاوی، مطبوعہ دار المنارۃ، جدہ، ص:۲۸-۲۹)

صحابہ کرام معیارِ حق ہیں

درحقیقت صحابہ سب کے سب عادل اور تام الضبط ہیں، شریعت اسلامی کے مرجع ہیں اور تمام فقہی مذاہب و مسالک انہی پر منتہی ہوئے ہیں، دین و شریعت میں انہی کا علم سب کے علم کی بنیاد ہے، ان سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے اور اللہ کی رضا کا سبب اور آخرت میں اچھے انجام کا ذریعہ ہے، یہ رجال ہیں، لیکن ہماری اور آپ کی طرح نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و رفاقت نے ان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، وحی نازل ہوتی تھی، اس کا پس منظر ان کے سامنے ہوتا تھا، وحی کو یہ لکھنے والے ہوتے تھے اور پھر اللہ نے قرآن مجید کے جمع و تدوین کا کام اسی قدسی جماعت سے لیا، عام امت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان یہی واسطہ ہیں، ان کو الگ کر دیا جائے تو امت کا سلسلۂ نسب منقطع ہو جائے گا، نہ ہی ان کو الگ کر کے قرآن کو، نہ ہی حدیث کو، نہ ہی دین و شریعت اور فقہ و تاریخ کو سمجھا جا سکتا ہے۔

علامہ سیوطی کی یہ بات آب زر سے لکھی جانے والی ہے کہ

صحابۂ کرام جرح و تعدیل سے اس لیے بھی بالاتر ہیں کہ وہ شریعت کے حامل ہیں، اگر ان کو بھی عدالت میں لایا جائے گا تو شریعت محمدی صرف عہد نبوی تک خاص ہو کر رہ جائے گی اور زمانی و مکانی دونوں اعتبار سے ایک صدی اور ایک دائرہ خلافت میں محدود ہو جائے گی۔ (تدریب الروای، ص:۴۰۰)

علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

''رضا (خوشنودی) اللہ تعالی کی ایک قدیم صفت ہے، اس لیے اللہ تعالی اسی

شخص سے راضی اور خوش ہوگا جس کے بارے میں وہ یہ جانتا ہے کہ اس کا وصال رضا کے تقاضوں کے ساتھ ہوگا اور جس سے اللہ تعالی راضی ہوگیا اس سے کبھی ناراض نہیں ہوگا، پس جس کے متعلق اللہ تعالی نے یہ خبر دے دی کہ وہ اس سے راضی ہوا تو وہ یقیناً جنتی ہے، اگر چہ اس کی رضا اس شخص کے ایمان لانے اور عمل صالح کرنے کے بعد ہو، تو اللہ تعالی اپنی اس رضا کا ذکر مدح وثنا اور تعریف کے مقام میں کرتے ہیں، اگر اللہ کے علم میں یہ بات ہوتی کہ یہ شخص اس کے بعد ایسا کام کرے گا جو اس کی ناراضگی کا سبب بنے گا تو وہ کبھی تعریف کا مستحق نہ ہوتا''۔

(الصارم المسلول: ۵۷۲-۵۷۳، دار الکتب العلمیہ تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید)

ابو نعیم نے اپنی کتاب ''الامامۃ'' میں لکھا ہے:

''اس شخص سے زیادہ برا حال کس کا ہوگا جو اللہ تعالی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اور ان کی نافرمانی اور حکم عدولی کا راستہ اختیار کرے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالی نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے درگزر کریں اور ان کی لیے مغفرت طلب کریں اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں، ارشاد باری تعالیٰ:

وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ (آل عمران: ۱۵۹)

اور اگر آپ تندخو، سخت طبع ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہوگئے ہوتے، سو آپ ان سے درگزر کیجیے اور ان کے لیے استغفار کر دیجیے، اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیے۔ نیز فرمایا:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢١٥﴾ (سورہ شعراء: ۲۱۵)

اور جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلے تو آپ اس کے ساتھ فروتنی سے پیش آیئے، تو اب جو شخص انہیں گالی دے، ان کی تنقیص کرے، ان سے بغض رکھے اور ان کے مشاجرات اور باہمی جنگوں کی عمدہ تاویل اور ان کو اچھے معنی پر محمول نہ کرے تو وہ اس ادب واخلاق کی حد سے منحرف ہو جائے گا جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں بڑی تاکید کے ساتھ دیا ہے، صحابہ کرام کی شان میں زبان درازی وہی شخص کرے گا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کے صحابہ کرام اور اسلام اور مسلمانوں کا بدخواہ اور بدطینت ہوگا''۔

(الإمامہ، ۳۷۵-۳۷۶، تحقیق علی فقیہی، مکتبۃ العلوم والحکم، مدینہ منورہ، طبع اول، ۱۴۰۷ھ)

سیرت نبوی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت وتاریخ ایمانی طاقت وقوت اور دینی جذبہ کا سرچشمہ ہیں جس سے یہ امت اور دینی دعوت وتحریک قوت وکمک اور ایمانی جوش وولولہ حاصل کرتی ہیں اور دلوں کی سرد انگیٹھیوں کو روشن کرتی ہیں جو مادیت کے تیز وتند جھونکوں میں بجھتی جارہی ہیں اور اگر یہ انگیٹھیاں بجھ گئیں تو یہ امت اپنی طاقت وقوت، اپنی شناخت و پہچان، امتیازات وخصوصیات اور تاثیر کھودے گی اور لاشہ بے جان بن رہ جائے گی۔

مدرسۂ نبوی کے تربیت یافتہ

مشہور مثل ہے ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے'' اور درخت سے فائدہ وہی شخص اٹھاتا ہے جو اس کے سایہ میں بیٹھتا ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

وقانا لفحة الرمضاء واد
سقاه مضاعف الغيث العميم
حللنا دوحه فحنا علينا
حنو المرضعات على الفطيم

(دھوپ کی تپش اور سختی سے ہم کو ایسی وادی نے بچالیا جس میں پانی تھا، ہم اس کے گھنے درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے، تو اس کی شاخوں نے ہم کو اپنے سایہ میں لیا جس طرح مائیں دودھ چھڑائے ہوئے بچوں کو اپنی شفقت و پیار کی آغوش میں لے لیتی ہیں)۔

لیکن یہ سایہ وقتی ہوتا ہے اور جب پھل میٹھا ہوتا ہے تو قریب و بعید، چھوٹے اور بڑے سب کو فائدہ پہنچاتا ہے، قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کو ''شجرہ طیبہ'' سے تشبیہ دی گئی ہے، ارشاد ربانی ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝٢٤ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ
اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝٢٥ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ
كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝٢٦ يُثَبِّتُ

اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَآءُ (ابراہیم: ۲۴۔۲۷)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان کی ہے؟ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، جس کی جڑ زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں، اپنے رب کے حکم سے وہ ہر آن پھل دیتا ہے، اللہ (اس قسم کی) مثالیں اس لیے دیتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں اور ناپاک کلمہ کی مثال ایک خراب درخت کی طرح ہے جسے زمین کے اوپر ہی اوپر سے اکھاڑ لیا جائے، اس میں ذرا بھی جماؤ نہ ہو، جو لوگ ایمان لائے ہیں، اللہ ان کو اس مضبوط بات پر دنیا کی زندگی میں بھی جماؤ عطا کرتا ہے اور آخرت میں بھی اور ظالم لوگوں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے اور اللہ (اپنی حکمت کے مطابق) جو چاہتا ہے کرتا ہے''۔

جس طرح درخت اپنے پھل اور کھیتی اپنے پودے سے پہچانی جاتی ہے، استاد بھی اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے، چنانچہ ہم تراجم اور سیر وسوانح کی کتابوں میں اساتذہ ومشائخ کا تذکرہ دیکھیں، پھر ان کے شاگردوں کو دیکھیں جو اپنی علمی قابلیت کی وجہ سے دنیا میں نمایاں ہوئے، اسی طرح عظیم دینی شخصیات پر نظر ڈالیں اور ان لوگوں کو پڑھیں جن کے قابل رشک کارنامے تاریخ نے درج کیے ہیں اور جن کی وجہ سے ان کے مشائخ کا فیض آنے والی نسلوں تک پہنچ سکا، تو ہم دیکھیں گے کہ یہ سب کچھ شیخ کی صلاحیت ودیدہ وری، اس کے علمی سرچشمہ اور متعلم ومسترشد کے اخاذ ذہن پر منحصر ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''میری تربیت اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے اور بہترین فرمائی ہے''۔ حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''کان خلقه القرآن'' آپ (ﷺ) اخلاق میں قرآن کا مجسم نمونہ

تھے‘‘۔ خود قرآن نے حضور ﷺ کو معلم ومزکی کہا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲

(سورہ جمعہ:۲)

وہی ہے جس نے امی لوگوں میں انھیں میں سے ایک رسول کو بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتوں کی تلاوت کریں اور ان کو پاکیزہ بنائیں اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیں، جبکہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور پاک ﷺ کی براہ راست صحبت اٹھائی، چنانچہ صحابہؓ میں بھی حضور ﷺ کی صفات منتقل ہوئیں، ان صفات میں سب سے اہم صفت جذبہ دعوت ہے، ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۷ (المائدہ:۶۷)

اے رسول جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو اور اگر ایسا نہیں کروگے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہونچایا اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائیگا۔ یقین رکھو کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران حضور ﷺ کو مشقتوں کو برداشت کرنے، مشرکین سے اعراض برتنے، صبر اور معاف کرتے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، حضور ﷺ خود فرماتے ہیں کہ ’’اللہ کے راستے میں جتنا مجھے ڈرایا گیا اتنا کسی کو نہیں ڈرایا گیا، اللہ کے راستے میں جتنی تکلیف مجھے دی گئی اتنی تکلیف کسی کو نہیں دی گئی، کئی بار ایسا ہوا کہ پورا پورا مہینہ اس حال

میں گزرا کہ نہ میرے پاس نہ بلال کے پاس کوئی چیز ایسی تھی جسے انسان کھا سکے، سوائے اس کے جو بلال اپنے بغل میں رکھ لیتے تھے۔ (ترمذی ۲۴۷۲، ابن ماجہ ۱۵۱)

یہی نہیں، بلکہ جو بھی حضور ﷺ پر ایمان لایا اور آپؐ کی صحبت و رفاقت سے شرف یاب ہوا وہ داعی الی اللہ اور تکلیف و مصیبت میں صبر کرنے والا بنا، سیر صحابہؓ میں محبت و وارفتگی اور راہ خدا میں جاں نثاری کے ایسے ایسے واقعات درج ہیں جسے سن کر اور پڑھ کر عقلِ انسانی حیران وشسدرر رہ جاتی ہے۔ (تفصیل کے ملاحظہ کریں: سیرت ابن ہشام ۱/ ۳۱۷)

صبر و برداشت کے نمونے

صحابہ کرامؓ نے ایسی سخت آزمائشوں کا سامنا کیا جس کے مقابلہ سے بلند و بالا سخت پہاڑ بھی قاصر ہیں، اپنی جان اور اپنا مال سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کیا اور سخت ترین مشقتیں برداشت کیں، جب کہ اِنھی مشقتوں کو دیکھ کر سردارانِ مکہ نے اسلام قبول نہیں کیا۔

عمار اور ان کے والد یاسر، ان کی والدہ سمیہ مسلمان ہو گئے تھے، بنی مخزوم ان کو باہر لاتے اور ان کو مکہ کی سخت گرمی اور تپش میں مختلف قسم کی تکلیفیں پہنچاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گذر ہوتا تو آپؐ کو رنج و افسوس ہوتا، لیکن آپؐ اس وقت اور کچھ نہیں کر سکتے تھے، سوائے اس تلقین کے کہ: "اصبروا یا آل یاسر فإن موعدکم الجنة" (آل یاسر ذرا صبر رکھو! تمہاری منزل جنت ہے) ان پر ظلم اس قدر بڑھا کہ کم بخت ابو جہل نے بی بی سمیہ کے اندام نہانی میں نیزہ مارا جس کے اثر سے وہ شہید ہو گئیں۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۲۰، زاد المعاد: ۳/ ۲۲)

حضرت مصعب بن عمیرؓ مکہ کے بہت خوش پوشاک نوجوان تھے اور ناز و نعم میں پلے تھے، وہ اپنے والدین کے بڑے لاڈلے تھے، ان کی والدہ صاحب ثروت تھیں اور

ان کو اچھے سے اچھا لباس پہناتی تھیں، خوشبوؤں کے استعمال میں بھی اہل مکہ میں ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا، حضرمی جوتے جو بہت قیمتی ہوتے ہیں ان کے استعمال میں رہتے، رسول اللہ ﷺ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے: ''میں نے مکہ میں مصعب بن عمیر سے زیادہ خوش وضع وخوب رو، جامہ زیب اوران سے زیادہ ناز پروردہ کسی اور کو نہیں دیکھا''۔ مصعب بن عمیرؓ کو جب یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ دارارقم میں دعوت اسلام دیتے ہیں، تو وہ بھی وہاں پہنچے، اسلام قبول کیا اور آپؐ کی تصدیق کی، وہاں سے نکل کر یہ بات اپنی والدہ اور قوم کے ڈر سے ظاہر نہیں کی اور چھپ چھپ کر رسول اللہ ﷺ سے ملتے رہے، عثمان بن طلحہ نے ایک بار ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا اور ان کی والدہ اوران کے قبیلہ والوں کو خبر دی، وہ ان کو پکڑ لے گئے اور قید کر دیا اور جب تک حبشہ کی طرف پہلی ہجرت نہ ہوئی وہ جیل ہی میں رہے، اس پہلے قافلہ کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی، پھر مسلمانوں کے ساتھ اس شان سے واپس ہوئے کہ ان کی حالت یکسر تبدیل ہو چکی تھی اور نرمی اور مرفہ الحالی کی جگہ کھردراپن پیدا ہو گیا تھا، ان کی والدہ بھی اس تغیر حال کو دیکھ کر ان کو لعنت وملامت کرنے سے باز رہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۸۲، الاستیعاب: ۱/ ۲۸۸)

بعض مسلمانوں نے مشرکین کی پناہ بھی لی تھی، یہ مشرکین قریش کے بااثر وذی وجاہت سردار تھے اوران کی پوری حفاظت کرتے تھے، عثمان بن مظعون نے ولید بن مغیرہ کی پناہ لی تھی لیکن ان کی غیرت نے اس کو گوارہ نہ کیا اور انہوں نے ان کی حمایت کی ذمہ داری ان کو واپس کردی، انہوں نے کہا کہ مجھے اس کی خواہش اور تمنا ہوئی کہ میں غیر اللہ کی پناہ نہ لوں، ان سے اور کسی مشرک سے کچھ بات ہوئی، اس پر اس مشرک کو غصہ آ گیا اور اس نے اٹھ کر ان کی آنکھ پر ایک ایسا طمانچہ مارا کہ آنکھ جاتی رہی، ولید بن مغیرہ قریب ہی یہ منظر دیکھ رہا تھا، اس نے کہا کہ خدا کی قسم! میرے بھتیجہ تمہاری آنکھ اس صدمہ سے محفوظ تھی اور تم ایک مضبوط پناہ میں تھے، تم نے خواہ مخواہ اس مصیبت کو دعوت دی، حضرت عثمان بن مظعونؓ

نے جواب دیا کہ واللہ میری اچھی آنکھ بھی یہ تمنا کر رہی ہے کہ اس کے ساتھ وہی حادثہ پیش آئے اور اے عبد شمس! میں تو اس کے جوار اور پناہ میں ہوں جو تم سے زیادہ صاحب عزت اور با اقتدار ہے۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/۳۷۰)

جب حضرت عثمان بن عفانؓ اسلام لائے تو ان کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ نے خوب مضبوطی سے باندھ دیا اور اس کے بعد کہا کہ کیا تم اپنے آباؤ واجداد کا دین چھوڑ کر ایک نئے دین کو اختیار کر رہے ہو، خدا کی قسم میں تم کو اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک تم اپنے اس دین کو نہ چھوڑ دو گے، حضرت عثمانؓ نے کہا کہ واللہ میں اس کو کبھی بھی نہ چھوڑوں گا، جب حکم نے اپنے دین پر ان کی یہ مضبوطی اور یقین دیکھا تو ان کو رہا کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کے اسلام لانے کی خبر ان کے چچا حکم بن ابی العاص بن امیہ کو ہوئی تو وہ حضرت عثمان کو کھجور میں باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا۔ (طبقات بن سعد: ۳/۳۷)

خباب بن ارت کے سر کے بال کھینچے جاتے، گردن مروڑی جاتی، بارہا آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا۔ (الکامل فی التاریخ: ۲/۶۷)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے، امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب امیہ نے سنا کہ بلال مسلمان ہو گئے ہیں، گونا گوں عذاب ان کے لیے ایجاد کیے گئے، گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دی جاتی اور وہ مکہ کی پہاڑیوں میں انھیں لیے پھرتے، رسی کا نشان گردن میں نمایاں ہو جاتا، وادی مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر ان کو لٹا دیا جاتا اور گرم گرم پتھر ان کی چھاتی پر رکھ دیا جاتا، مشکیں باندھ کر لکڑیوں سے پیٹا جاتا، دھوپ میں بٹھایا جاتا، بھوکا رکھا جاتا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان سب حالتوں میں احد احد کے نعرہ لگاتے رہتے کہ خدا ایک ہے، خدا ایک ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/۱۶۶، حلیۃ ابی نعیم: ۱/۱۴۹)

اس حالت میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے

گذرے اور امیہ کو حضرت بلال کے بدلہ میں ایک ان سے زیادہ مضبوط وتوانا اور سیاہ فام غلام دے کر حضرت بلال کو آزاد کرادیا۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۳۱۷۔۳۱۸)

ابوفکیہہ جن کا نام افلح تھا، کے پاؤں میں رسی باندھ کر انہیں پتھریلی زمین پر گھسیٹا جاتا (الکامل فی التاریخ: ۲/ ۶۹)۔

قریش کا یہ سلوک غلاموں اور ضعیفوں کے ہی ساتھ نہ تھا؛ بلکہ اپنے فرزندوں اور عزیزوں کے ساتھ بھی وہ ایسی ہی سنگ دلی کا برتاؤ کیا کرتے۔

بعض صحابہ کو قریش گائے، اونٹ کے کچے چمڑے میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے، بعض کو لوہے کی زرہ پہنا کر جلتے جلتے پتھروں پر لٹادیا کرتے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ

اسلام کا راستہ کانٹوں بھرا نہایت پُرخطر تھا، حق کا متلاشی جب تک سر پہ کفن اور ہتھیلی پر جان لے کر نہ چلے دولت اسلام سے مالا مال نہیں ہوسکتا تھا، بطور مثال حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مکہ آمد، حضور ﷺ سے ملاقات اور مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ پڑھ سکتے ہیں جسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ اپنے شہر یثرب میں ہی تھے کہ انہوں نے نبی ﷺ کے متعلق کچھ اڑتی سی خبر سنی، اپنے بھائی سے کہا کہ تم اس وادی یعنی مکہ میں جاؤ اور ذرا ان صاحب کا جو اپنے کو نبی کہتے ہیں اور جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، ان کا کچھ پتہ لگاؤ، ان کی گفتگو سنو اور پھر مجھے آکر بتاؤ، چنانچہ وہ روانہ ہوئے، ان کے برادر انیس خود ایک مشہور فصیح شاعر اور زبان آور تھے، وہ نبی کریم ﷺ سے ملے، آپؐ کی بات سنی، پھر بھائی کو جاکر بتایا کہ میں نے دیکھا کہ وہ بہت پسندیدہ واعلی ترین اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، جو کلام میں سن کر آیا ہوں، اسے کسی طرح بھی شعر نہیں کہا جاسکتا ہے، حضرت

ابوذر بولے، اتنی سی بات سے تو کچھ تسلی نہیں ہوتی، آخر خود پیدل چل کر مکہ پہنچے۔

حضرت ابوذرؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت نہ تھی اور کسی سے دریافت کرنا بھی مناسب نہ سمجھتے تھے، اسی تلاش میں رات ہوگئی، اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کو دیکھا اور ان کو اندازہ ہوگیا کہ یہ کوئی نو وارد اور مسافر ہے، علی مرتضیٰ نے کہا: اچھا میرے ہاں چلو، یہ رات کو وہیں رہے، لیکن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا، جب صبح ہوئی، تو وہ اپنا مشکیزہ اور زاد راہ لیکر پھر اسی مسجد میں پڑ گئے اور یہ دن بھی اسی طرح گذر گیا، دل میں آنحضرت ﷺ کی تلاش تھی، مگر کسی سے دریافت نہ کرتے تھے، علی مرتضیٰ پھر آ پہنچے، انہوں نے فرمایا، شاید تمہیں اپنا ٹھکانہ نہیں ملا، ابوذر نے اثبات میں جواب دیا، علی مرتضیٰ پھر ساتھ لے گئے، اب انہوں نے پوچھا، تم آخر ہو کون اور یہاں کس لیے آئے ہو؟ انہوں نے کہا، اگر تم مجھ سے رازداری، اخفائے حال اور میری رہنمائی کا وعدہ کرو، تو بتا سکتا ہوں، علی مرتضیٰؓ نے وعدہ کرلیا، ابوذر نے کہا: میں نے سنا ہے کہ اس شہر میں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو اللہ کا نبی بتاتا ہے، میں نے اپنے بھائی کو بھیجا تھا، وہ یہاں سے کچھ تسلی بخش بات لیکر نہ گیا، اس لیے خود آ گیا ہوں، علی مرتضیٰؓ نے کہا: تم خوب آئے اور خوب ہوا کہ مجھ سے ملے، دیکھو میں انہی کی خدمت میں جا رہا ہوں، میرے ساتھ چلو، میں پہلے اندر جا کر دیکھ لوں گا، اگر اس وقت ملنا مناسب نہ ہوگا، تو میں دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو جاؤں گا گویا جوتا درست کر رہا ہوں۔

الغرض ابوذرؓ علی مرتضیٰؓ کے ساتھ خدمت نبوی میں پہنچے اور عرض کیا: مجھے بتایا جائے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اسلام کی بابت بیان فرمایا، آپ ﷺ کی بات سن کر وہ اسی جگہ مسلمان ہو گئے، نبی ﷺ نے فرمایا: ابوذر تم ابھی اس بات کو چھپائے رکھو اور اپنے وطن کو چلے جاؤ، جب تمہیں ہمارے ظہور کی خبر مل جائے تب آ جانا، انہوں نے کہا: بخدا میں تو ان دشمنوں میں اعلان کر کے جاؤں گا، اب ابوذر کعبہ کی طرف آئے، قریش جمع تھے،

انھوں نے سب کو سنا کر باآواز بلند کلمۂ شہادت "أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه" پڑھا، یہ سن کر لوگوں نے ان کو گھیر لیا اور اتنا مارا کہ بے دم ہوکر زمین پر لیٹ گئے، اتنے میں حضرت عباس آ گئے، انھوں نے انہیں جھک کر دیکھا اور کہا کم بختو! یہ قبیلۂ غفار سے تعلق رکھتے ہیں اور تمہارے شام کے تاجروں کا راستہ انہی کے قبیلہ سے ہوکر گزرتا ہے، لوگ یہ سن کر ہٹ گئے، اگلے دن پھر سب کو سنا کر کلمہ پڑھا، پھر لوگوں نے انہیں مارا اور حضرت عباس نے آ کر ان کی مدد کی۔

(بخاری، باب إسلام ابی ذر رضی اللہ عنہ، رقم الحدیث:۳۸۶۱، ومسلم: ۲۴۷۴)

عشق نبوی کے نمونہ

جن لوگوں نے حضور ﷺ کی صحبت و تربیت میں پرورش پائی اور پروان چڑھے، انھوں نے علم و حکمت اسی نبوی مدرسہ میں حاصل کیا، تزکیہ و احسان کا فیض یہیں سے اٹھایا، یہاں استفادہ ہی تعلق کی اصل بنیاد تھا، صحابہ کا نبی ﷺ سے تعلق اتنا پختہ تھا کہ کوئی دوسرا تعلق اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ یہ تعلق فدائیت و جانثاری اور محبت پر مبنی تھا، صحابہ کرامؓ ہر معاملہ میں آپؐ ہی کو اسوہ اور نمونہ مانتے تھے، سیرت کی کتابوں میں اس مثالی ربط و تعلق، رسول اکرم ﷺ سے استفادہ کا شوق و جذبہ، بلکہ انفرادی و اجتماعی ہر سطح پر آپ سے مشورہ اور دین و دنیا کے ہر مسئلہ میں آپ ہی کو فیصل و مقتدا ماننے کی بیشمار مثالیں موجود ہیں۔ سب کے سب کلی طور پر نبی کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، ارباب قیادت و سیادت بلکہ انبیائے سابقین کی تاریخ میں انفرادی سطح پر اس قدر ہم آہنگی کی مثال نہیں ملتی، إلا ماشاء اللہ۔

اصحاب رسول اللہ ﷺ کی اس بے نظیر خوبی، مثالی تعلق و محبت، جانثاری اور اطاعت و تابعداری کا اعتراف دشمنوں نے بھی کیا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر عروۃ بن

مسعود ثقفی رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر ملے اور آپ ﷺ سے گفتگو کی، دوران گفتگو عروہ کنکھیوں سے صحابۂ کرام کو دیکھتے جاتے تھے، جن کا حال یہ تھا کہ اگر آپ ﷺ تھوکتے تو کوئی نہ کوئی اس کو ہاتھ پر لے لیتا اور اپنے چہرے اور جسم پر لگا لیتا، آپ ﷺ کوئی حکم فرماتے تو ہر شخص تعمیل کے لیے لپکتا، وضو فرماتے تو وضو کے پانی پر جاں نثار اس طرح ٹوٹتے کہ لڑائی کا خطرہ ہونے لگتا، آپ ﷺ کلام فرماتے تو سب ہمہ تن گوش ہو جاتے، فرط تعظیم اور ادب کی وجہ سے کوئی آپ ﷺ سے نظریں ملانے کی ہمت نہ کرتا، عروہ نے واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اے قوم! میں بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، میں نے قیصر وکسریٰ اور نجاشی کی شان وشوکت بھی دیکھی ہے، لیکن خدا کی قسم میں نے نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے درباری ومصاحبین ایسا ادب اور اس درجہ تعظیم کرتے ہوں جیسے کہ محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔ (بخاری، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب)

ابو جحیفہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ بلال نے رسول اللہ ﷺ کے وضو کے پانی کو لیا اور لوگ ان کے پیچھے دوڑ پڑے، جس کو اس پانی سے کچھ مل جاتا اس کو اپنے چہرہ اور جسم پر مل لیتا اور جس کو نہ ملتا وہ اپنے ساتھی کی تری سے لے لیتا''۔

غزوہ احد میں ایک موقع پر جب یہ خبر پھیل گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، تو ایک بھی صحابی نے تخلف نہیں کیا؛ بلکہ یہ صدا بلند ہوئی کہ چلو تم بھی اسی پر جان دیدو جس پر آقائے نامدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جان قربان کردی ہے۔

ہرقل اور ابوسفیان کا مکالمہ

صحابہ کرام کی اس صفت کا اعتراف اس مکالمہ میں بھی ملتا ہے جو ہرقل اور ابوسفیان کے درمیان ہوا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ ان سے ابوسفیان نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ملک شام گیا تھا تو ہم وہیں تھے، دحیہ کلبی وہ خط لائے

تھے، انہوں نے بصریٰ کے امیر کو دیا تھا اور امیر بصریٰ نے ہرقل کو دیا، ہرقل نے پوچھا کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے کیا اس کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ہے، لوگوں نے کہا کہ ہاں، اس لیے وہ لوگ مجھ کو اور میرے چند ساتھیوں کو ہرقل کے پاس لے گئے، ہرقل نے پوچھا کہ ان کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے، ابوسفیان نے کہا کہ میں ہوں، اس لیے ابوسفیان کو ہرقل کے سامنے بٹھایا اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے، پھر ہرقل نے ترجمان کے ذریعے کہا کہ مدعی نبوت کے بارہ میں ہم کچھ ان سے پوچھنا چاہتے ہیں، اگر ہم سے یہ کوئی بات غلط کہیں تو تم لوگ اسکو ظاہر کر دینا، ابوسفیان کا بیان ہے کہ اگر ہم کو ہمارا جھوٹ بولنا ظاہر ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ضرور اس روز ہم بہت سی بات لگا کر کہتے۔

ہرقل: ان کا نسب کیا ہے؟

ابوسفیان: وہ ہم میں عالی نسب سمجھے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا جو بات وہ کہتے ہیں ان سے پہلے بھی کسی نے کہی ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا صاحب اثر لوگوں نے ان کا اتباع کیا ہے یا کمزوروں نے؟

ابوسفیان: کمزور لوگوں نے۔

ہرقل: ان کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

ہرقل: کیا کوئی ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد دین کو ناپسند کر کے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیاان کے اس دعوے سے پہلے بھی تم نے کبھی ان پر جھوٹ کا تجربہ کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا وہ عہد وقرار کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں؟

ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں کی، لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتے ہیں یا نہیں؟

ہرقل: تم لوگوں نے کبھی ان سے جنگ کی؟

ابوسفیان: ہاں۔

ہرقل: نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان: جنگ کا پانسہ ہمارے اور ان کے درمیان پلٹتا رہتا ہے، کبھی ہم غالب آتے ہیں کبھی وہ۔

ہرقل: وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟

ابوسفیان: وہ کہتے ہیں کہ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی کرو۔

ہرقل نے مترجم سے کہا کہ ان سے کہو کہ ہم نے تم سے ان کے نسب کے بابت دریافت کیا، تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں شریف النسب ہیں، پیغمبر ہمیشہ اچھے ہی خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ کیا اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا، تو تم نے کہا کہ نہیں، اگر ان سے پہلے کسی نے یہ دعویٰ کیا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ اسی کی نقل کر رہے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا ان کے خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے تم نے کہا نہیں، اگر کوئی بادشاہ گذرا ہوتا تو میں کہتا کہ اپنے خاندان کی بادشاہت کے طالب ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اس دعویٰ سے پہلے بھی کبھی جھوٹا کہتے تھے، تم نے کہا نہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ ناممکن تھا کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولیں اور

اللہ پر جھوٹ باندھیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ شرفاء اور بااثر لوگ ان کے متبع ہیں یا غریب اور کمزور، تم نے کہا کمزوروں نے ہی ان کی پیروی کی ہے، پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ میں نے تم سے دریافت کیا کہ ان کے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں، تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں، ایمان کا یہی معاملہ ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کمال کو پہنچ جائے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کوئی ان کے دین سے ناراض ہوکر مرتد بھی ہوجاتا ہے، تم نے کہا نہیں، ایمان کا حال یہی ہوتا ہے، جب دلوں کو اس کی چاشنی حاصل ہوجاتی ہے تو وہ نکلتا نہیں ہے۔ میں نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ عہد و پیمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں، تم نے کہا نہیں، پیغمبر اسی طرح خلاف ورزی نہیں کرتے اور میں نے تم سے دریافت کیا کہ وہ کیا سکھاتے ہیں، تم نے بتایا کہ وہ تم کو یہ سکھاتے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور تم کو بتوں کی پوجا سے روکتے ہیں، نماز، سچائی، پاکدامنی کی تعلیم دیتے ہیں، اگر تمہارا کہنا سچ ہے تو عنقریب اس وقت جہاں میرے قدم ہیں وہاں تک ان کا قبضہ ہوجائیگا، مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر میں وہاں جاسکتا تو ضرور ان کی ملاقات کے لیے جاتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ (بخاری، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، رقم الحدیث:۷، مسلم، رقم الحدیث:۳۳۷۷، ترمذی، رقم الحدیث:۲۷۱۸، ابوداود، رقم الحدیث:۵۱۳۶، مسند احمد:۱/ ۲۶۳)

صحابہ کرام کا امتیاز

حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ستاروں سے تشبیہ دی ہے، فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، تم ان میں سے جن کی بھی اقتدا کروگے ہدایت پا جاوگے۔ (جمع الفوائد: ۲ / ۱۰۲)۔ ستارے روشنی کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا

اس میں کوئی ثریا ہے، زہرہ ہے، نجم ہے، تو کوئی کوکب ہے، ان سب کی امتیازی صفت یہ ہے کہ سب روشنی دیتے ہیں اور تاریکی کو دور کرتے ہیں جس کے ذریعہ انسان راہ یاب ہوتا ہے، حدیث صحیح میں مذکور ہے: ''تم پر میری سنت اور خلفائے راشدین۔ جو ہدایت یافتہ ہیں۔کی سنت کا اتباع لازم ہے، تم اسے اختیار کرو اور اسے مضوطی سے پکڑلو''۔ امام بخاریؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: انصار سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ (کتاب الایمان، باب علامۃ الایمان حب الانصار) ایک مرتبہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا فرقہ نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ جماعت جو میرے اور میرے صحابہ کے راستہ پر ہوگی''۔ انصار ہوں کہ مہاجرین، سب ہر طرح کے خطرات اور تمام غزوات کے موقع پر استقامت کے ساتھ جمے رہے اور جس اعتماد کے ساتھ حضور ﷺ کے پاس رہتے اور مستفید ہوتے تھے اسے ہر وقت اور ہر حال میں بحال رکھا، چنانچہ پُرخطر مواقع پر کسی نے بھی پسپائی اختیار نہیں کی، غزوہ تبوک میں تین لوگ پیچھے رہ گئے تو احساس ندامت کی وجہ سے خود ان کی جان پر بن آئی تھی، ان تین میں ایک کعب بن مالکؓ بھی تھے، ان کا قصہ انھیں کی زبانی سنیئے تو انداز بیان سے ہی معلوم ہو جائیگا کہ انھیں حضور ﷺ سے کس قدر والہانہ محبت تھی اور غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو پانے کی وجہ سے کتنی ندامت ہوئی اور ضمیر نے کس قدر ملامت کی تھی، اسی دوران خبر پا کر ملک غسان نے اپنے گروہ میں شمولیت کی دعوت دی تو دعوت نامہ کو نذر آتش کر دیا اور اسے ایک طرح کی آزمائش خیال کرتے ہوئے وفا و حق پرستی اور استقامت کا ثبوت پیش کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو صحابہ کی پہلی جماعت تیار کرنے کا موقع عنایت فرمایا، لہٰذا حضور ﷺ نے انھیں جاہلیت کی گرد آلود فضا سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائے، چنانچہ سب کے سب عالم انسانی کی معزز ترین اور تاریخ ساز شخصیت کے روپ

میں جانے گئے کیوں کہ انھوں نے دعوت کا عظیم فریضہ انجام دیا تھا جس سے تاریخ کا باب ہنوز روشن ہے۔

درسگاہ نبوت کے فیض یافتگان

نبوی درسگاہ کے تربیت یافتہ حضرات صحابہؓ کا شمار دنیا کے عظیم انسانوں میں ہوتا ہے، دعوت و جہاد، حکومت و سلطنت اور آگے چل کر تہذیب وثقافت سب انھیں کے دم سے قائم ہوئی، تاریخ انسانی ابوبکر وعمر، عثمان وعلی یا سعد بن وقاص اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم جیسی کوئی ایک بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آپ ﷺ نے خصوصی صلاحیت کے حامل افراد کی ایسی زبردست تربیت کی کہ جب انھوں نے توحید، جہاد اور دعوت کا علَم بلند کیا تو سارا جزیرۃ العرب ان کے زیر نگیں آ گیا، نصف صدی میں بڑے بڑے معرکے سر کیے اور یورپ کی سرحد تک پہنچ گئے، عقبہ بن نافعؓ تو ۵۶ھ میں مراکش کے آخری حدود اور ساحل تک پہنچ گئے۔ نبوی درسگاہ ایک عظیم عالمی درسگاہ یا یوں کہیے کہ ایک Global University تھی، جہاں حضور ﷺ نے اولین صحابہ کی تعلق مع اللہ، تقویٰ وعزیمت اور صبر و استقامت پر تربیت کرتے، انھیں سکھاتے اور مہذب بناتے، یہ تربیت ان کے عزائم کو پختہ کرتی تھی، حوصلے بلند کرتی تھی، جانفشانی اور ایثار وقربانی پر آمادہ کرتی تھی، گویا سونے کو صیقل کر کے کندن بنا دیا گیا ہو۔

قدموں نے ان کی خاک کو کندن بنا دیا
مٹی بھی کیمیا ہے محمد کے شہر میں

مفکر اسلام ابوالحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

''یہ جماعت (جماعت صحابہ) ایک عظیم الشان اسلامی امت کی اساس اور اسلام کا سرمایہ تھی، اس جماعت کا ظہور ایسی کٹھن گھڑی میں ہوا جب کہ دنیا موت وزندگی کی

کشمکش میں مبتلا تھی، اس جماعت نے آ کر اس کی زندگی کا پلڑا جھکا دیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور پھر اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لیے ضروری تھا، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت و محبت پر زور دیا تو فرمایا:

''اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا''۔

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ ﷺ کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الٰہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے کو مٹانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی، وہ لوگ چستی اور سستی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں دس سال کے اندر ستائیس بار جہاد کے لیے نکلے اور آپؐ کے حکم سے سو مرتبہ سے زائد کمر بستہ ہو کر میدان جنگ کی طرف گئے، ان کے لیے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی تھی، اہل و عیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے، وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آ گئے، ان پر جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے کوئی کشاکش باقی نہ رہی، آپؐ کے فیصلہ پر ان کو کبھی ذہنی یا قلبی کشمکش پیش نہ آئی، جس بات کا فیصلہ آپؐ فرما دیتے ذرا اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہو گئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لیے پیش کر دیا، شراب کی حرمت کا نزول ہوا ہے تو چھلکتے ہوئے جام ہتھیلیوں پر تھے، اللہ کا حکم ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ لبوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا، پھر کیا تھا، ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر اٹھ سکے، لبوں کی تمنائیں وہیں خشک ہو گئیں، شراب کے برتن توڑ دیے

گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

دنیا میں رہتے ہوئے مردان آخرت اور نقد سودے کے بازار میں آخرت کے قرض کو دنیا کے نقد پر ترجیح دینے والے بن گئے، نہ کسی مصیبت سے گھبراتے، نہ کسی نعمت پر اتراتے، فقر ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکتا، دولت سرکشی پیدا نہ کرسکتی، تجارت غافل نہ کرتی، کسی طاقت سے نہ دبتے، اللہ کی زمین پر اکڑنے کا خیال بھی نہ آتا، بگاڑ اور تخریب کا وہم بھی نہ ہوسکتا، لوگوں کے لیے وہ میزان عدل تھے، وہ انصاف کے علمبردار تھے، اللہ تعالی کے گواہ تھے، خواہ ان کو اپنے نفس کے خلاف گواہی دینی پڑے، خواہ والدین اور اعزہ کے مخالف جانا پڑے، تو اللہ تعالی نے اپنی زمین کو ان کے قدموں پر ڈال دیا اور دنیا کو ان کے لیے مسخر کردیا، وہ اس وقت دنیا کے محافظ اور اللہ کے دین کے داعی بن گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنا جانشین بنایا اور آپ خود ٹھنڈی آنکھوں کے ساتھ رسالت اور امت کی طرف سے اطمینان لے کر رفیق اعلیٰ کی طرف سفر کر گئے"۔ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر: ۸۴-۸۶)

سلام دشمن ذرائع ابلاغ صحابہ کرامؓ کی شان کو نیچا دکھانے کے لیے اسلامی تاریخ کے بعض واقعات کو بہت زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور غیر اسلامی ماحول میں نشوو نما پانے والے نوجوانوں کے ذہن میں غلط تصویر بٹھاتے ہیں، حضور ﷺ کی تربیت پر شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کچھ چینلز تو حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کے موقف پر ایسے انداز میں سوالات کھڑے کرتے ہیں جس سے انسان شک میں پڑ جائے اور بسا اوقات ایسے الزامات لگاتے ہیں جو اسلام اور اسلامی شخصیات سے متعلق بے اعتمادی اور غلط فہمیوں کو جنم دیتے ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ جب ہم اسلام اور اسلامی علوم کی خدمت کرنے والوں کی خدمات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہتی کہ جو اہتمام اور توجہ ہمارے علماء

نے علوم اسلامیہ وشرعیہ کے ساتھ کی وہ توجہ تاریخ کے ساتھ نہیں کی، جس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ تاریخی روایات کو جمع کرنے اور ترتیب دینے کا کام ان لوگوں نے اپنے سر لیا جو ثقہ نہیں تھے اور انہوں نے بے احتیاطی سے یہ کام کیا اور رطب و یابس سب جمع کر لیا جس میں مخالفین اسلام کی صحابہؓ سے متعلق ایسی من گھڑت باتیں بھی آگئیں جو ان کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ مستشرقین نے سیرت نبوی، سیرت صحابہ اور اسلامی تاریخ کے وہ پہلو اجاگر کیے جن سے لوگوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوں اور رائی کو پہاڑ بنانے کا کام کیا اور ایک خاص فکر سے یہ کام جاری رہا، یورپ کے مصنفین نے بعض عرب ادباء کو اپنے قافلہ میں شامل کر کے اور زیادہ نقصان پہنچا دیا۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اصحابِ رسول کے منہج اور طریقۂ کار کو بیان کیا جائے، ان کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا جائے، اللہ کی خوشنودی کے حصول کے راستہ میں ان کی قربانی، خلوص، امانتداری، خوف خدا، جنت اور آخرت کا شوق اور رسول سے ان کے عشق ومحبت، اتباع رسول میں ان کی فدائیت، جانثاری، وفاداری اور اشاعت اسلام اور اسلامی خلافت کے قیام کے راستہ میں ان کے کردار اور مثالی خدمات کو نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے، ان میں انصار اور مہاجرین کی کوئی تفریق نہیں؛ بلکہ جسے بھی صحبت رسول کا شرف حاصل ہوا اور صحابہ کی صف میں شامل ہوا، وہ سب قابل احترام ہی نہیں؛ قابل تقلید نمونہ ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنْفَقَ أَحَدُكُمْ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ"

میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو، جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس کی قسم کہ اگر تم میں کوئی احد (پہاڑ) کے برابر سونا خرچ کر ڈالے تو ان میں سے کسی ایک کے مد یا نصف مد کے برابر صدقہ کی بھی برابری نہیں کر سکتا۔ (بخاری و مسلم)

"أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُم"

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (جمع الفوائد ۲/۲۰۱)